

خزاں پاکستان

05-28-2017



فہرست

بچوں کی دنیا

۱. تین دوست
۳. ننھا پانڈا

سائنس / ٹیکنالوجی

۴. جلد کی حفاظت اور گھریلو نسخے
۶. کمپیوٹر وائرس

معاشرہ اور ثقافت

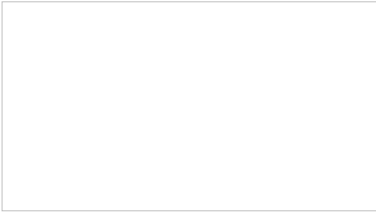
۷. انگلش و نگلش
۸. انوکھی سزا
۹. بے چین
۱۲. پر لطف ترین شخص
۱۳. ترقی
۱۴. جنگلات کی معاشی ، ماحولیاتی اہمیت!
۱۶. خواتین کا عالمی دن
۱۷. کاروباری راز
۱۸. مدر ڈے
۱۹. نئی زندگی

میں آتا مجھے نہیں گرا سکتے تھے۔“

”میں بے کار میں نہیں ڈر رہا ہوں۔ بل کہ صحیح معنوں میں ڈر رہا ہوں۔“ پھدکو نے کہا۔ اور پھر سرگوشی کے انداز میں چپیں چو کو بولنے لگا کہ: ”میں تو کہوں گا کہ اب تم بھی اُس کے ساتھ کھیلنا چھوڑ دو۔ نہیں تو وہ کسی دن تمہیں بھی ضرور دھوکا دے گا۔ اور تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھاجائے گا یا تمہادی دم چبا جائے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔“

”یہ سب سراسر غلط ہے۔“ چپیں چو بولی۔

”غلط بات نہیں ہے۔“ پھدکو نے بات کاٹی اور آگے بولا: ”کیا بلی اور کتے کی کبھی دوستی رہ سکتی ہے۔ بلی کتے کو دیکھ کر ہمیشہ ڈرتی رہی ہے۔ کوئی وجہ ہوگی تب ہی تو بلی کتے سے ڈرتی ہے۔ میں نے تمہاری بھلائی کے لیے یہ نصیحت کی ہے اب تمہاری مرضی تمہیں اس کے ساتھ کھیلنا ہے کھیلو یا مت کھیلو۔ لیکن یاد رکھنا وہ ضرور کسی دن تمہیں دھوکا دے گا۔“ پھدکو نے پھر سے یہ بات دہرائی کہ: ”وہ تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھاجائے گا یا تمہادی دم چبا جائے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔“



”یہ بات تو ٹھیک ہے کہ بلی اور کتے کی کبھی نہیں بنتی لیکن یہ سب کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے، ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت اچھے دوست ہیں۔“ چپیں چو نے پھدکو سے کہا۔

”اچھا! دوسری مثال بھی سنو۔“ پھدکو بولا: ”شیر اور ہرن میں کبھی دوستی نہیں سنی گئی۔ جب بھی شیر ہرن کو دیکھتا ہے، وہ اس کو مارنے دوڑتا ہے۔ اگر پکڑ لیتا ہے تو وہ ہرن کو مار ہی ڈالتا ہے۔ اس لیے شیر ہرن کو دیکھ کر بھاگتی ہے۔ اسی طرح بلی اور کتے کا معاملہ ہے۔“

”میں تمہاری اس بات سے اختلاف نہیں کرتی۔“ چپیں چو نے کہا۔ اور بولی: ”بل کہ میں ایک مثال اور دیتی ہوں، وہ بھی کسی دوسرے کی نہیں خود اپنی بلی اور چوہے کی۔ بلی چوہے کی دشمن ہے، وہ جہاں کہیں چوہے کو دیکھتی ہے اس کو مار ڈالتی ہے۔ لیکن کہیں بلی اور چوہے کی دوستی ہوئی ہے؟ میری اور تو تو کی دوستی کی بات الگ ہے۔“

تو تو کچھ نہیں بولا اور ہنستا رہا۔

اس کے بعد تو تو کہیں سے گیند اٹھا لایا۔ دونوں کچھ دیر گیند سے کھیلتے رہے۔

شام ہو رہی تھی۔ تو تو بولا: ”چپیں چو! اب میں گھر جاؤں گا۔ آج تو کھیلتے کھیلتے تھک گیا ہوں۔ ماں انتظار کر رہی ہوگی۔ آج وہ کچھ دیر بعد مجھے کہیں گھمانے لے جائیں گی۔“

”تو جلدی جاؤ!“ چپیں چو بولی۔ ”میں بھی تھک گئی ہوں۔ لیکن کل مجھے ضرور بتانا کہ تم کہاں گھومنے گئے تھے۔“ وہ پھر بولی۔ ”کل میری ماں مجھے کچھ نئی چیز کھانے کو دینے والی ہیں مگر مجھے بتایا نہیں ہے۔ دیکھیں کیا دیتی ہیں؟“

تو تو اپنے گھر چل دیا اور چپیں چو اپنے گھر۔ دونوں کو الگ الگ سمت جانا تھا۔

جب چپیں چو اپنے گھر جارہی تھی۔ راستے میں پھدکو بندر ملا۔ وہ درخت کی ایک شاخ پر بیٹھا تھا۔ چپیں چو کو دیکھتے ہی شاخ پر سے بولا: ”کھو کھو... کھو کھو۔“

چپیں چو سمجھ گئی کہ یہ پھدکو بندر ہے۔

”ارے بھئی! کیا حال ہے؟ نیچے تو آؤ۔“ چپیں چو بولی۔ ”کچھ کہنا ہے کیا؟“

”کہنا تو ہے لیکن نہیں کہوں گا۔ آج کل تو تم تو تو کے ساتھ زیادہ کھیلتی ہو۔ میں تو درخت کی شاخ پر اکیلا بیٹھا رہتا ہوں، تم کو تو میرا خیال ہی نہیں رہتا۔“ پھدکو نے شکایت کی۔

”تو تم بھی کھیلا کرو ہمارے ساتھ، بڑے برگد کے پاس آجایا کرو۔ وہیں تو تو آتا ہے ہم تینوں مل جل کر کھیلا کریں گے۔“ چپیں چو نے دوستانہ انداز میں کہا۔

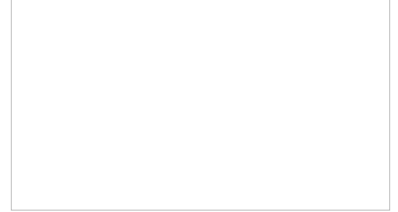
”ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ پھدکو زور سے ہنسا اور کہنے لگا: ”میں تو۔ تو تو کے ساتھ نہیں کھیلوں گا۔ نہ جانے کب وہ مجھے کاٹ لے؟ جب وہ بھونکتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے ہول گر رہا ہو۔ مجھے تو اُس سے بہت ڈر لگتا ہے۔“

”تم بے کار میں تو تو سے ڈر رہے ہو۔“ چپیں چو بولی۔

تین دوست

مصنف: سفیان خان

چپیں چو بلی اور تو تو کتا مل کر کھیل رہے تھے۔ چپیں چو نے تو تو کو دھکا مارا۔ تو تو گر پڑا۔ چپیں چو تالی بجانے لگی۔ ”گرا دیا، ... گرا دیا...“



تو تو اٹھ گیا۔ اس پر تھوڑی مٹی لگ گئی تھی۔ اس نے مٹی جھاڑی اور چپیں چو سے بولا: ”میں گراؤں تو کہنا مت کہ گرا دیا۔“ ایسا دھکا ماروں گا کہ تم لڑھکتی چلی جاؤ گی۔“

”تم گرا ہی نہیں سکتے۔“ چپیں چو ہنسنے لگی۔

”اچھا۔۔۔۔۔۔“ ”ہاں!“

”تو تیار ہو جاؤ۔“ چپیں چو پہنچے گزرا کر کھڑی ہو گئی۔

تو تو جانتا تھا کہ چپیں چو پہنچے گزرا کر کھڑی ہو جائے گی اور وہ اسے گرامنہیں پائے گا۔ پھر بھی وہ اس کے پاس آیا اور دھکا مارا۔ چپیں چو ذرا سی ڈمگ کر رہ گئی۔

تم میں تو بہت طاقت ہے۔ میں بچ مچ تم کو نہیں گرا پایا۔“ تو تو بولا۔

”میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا۔“ اتنا کہہ کر چپیں چو آرام سے کھڑی ہو گئی۔ تو تو ہوشیاری سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا سا پیچھے ہٹا اور تیزی سے آکر ایک دھکا مارا۔ چپیں چو زور سے لڑھک کر زمین پر گر گئی۔ اب تالی بجانے کی باری تو تو کی تھی وہ زور سے ہنسنے لگا۔

چپیں چو اور تو تو دونوں بہت کھنڈرے تھے وہ دونوں اس وقت مذاق ہی تو کر رہے تھے۔ چپیں چو کھڑی ہو گئی۔ اس نے بھی اپنے جسم پر لگی دھول مٹی جھاڑی اور بولی: ”ایسا دھکا دینے سے کیا ہوتا ہے؟ ذرا پہلے ہی بول کر دینے تو سمجھ

اب پھدکو خود ہی بولا: ”میں نے ایک دن چیں چو سے کہا تھا کہ تو تو تمہیں کسی دن دھوکا دے گا، اُس کا ساتھ چھوڑ دو۔“

تو تو ہنسا: ”بس اتنی سی بات، اس کے لیے معافی مت مانگو۔ تمہارے دل میں شک تھا سو وہ آج دور ہو گیا۔ ہم تینوں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔“

تو تو کہنے نے نے پھدکو بندر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھدکو بندر کا ہاتھ چیں چو بلی نے پکڑ لیا اور تینوں کہتے جا رہے تھے ہم تینوں دوست ہیں۔

§§§

دوسرے لڑکے نے کہا۔

اُن لڑکوں کی باتیں چیں چو نے بھی سنا اور تو تو نے بھی۔ تو تو بولا: ”چیں چو! تم یہیں رہو۔ میں ان لڑکوں کے ساتھ ساتھ جاتا ہوں۔ یہ جیسے ہی غلیل چلانے جائیں گے۔ میں اتنی زور سے بھونکوں گا کہ یہ ڈر کر بھاگ جائیں گے۔ اپنی بھون بھون سے میں انہیں ایسا ڈراؤں گا کہ پھر کبھی بھی وہ اھر آنے کی ہمت نہیں کریں گے۔“

”ٹھیک ہے، لیکن میں بھی آتی ہوں۔ تم جا کر اُن لڑکوں کو ڈراؤ۔“ چیں چو نے کہا۔

لڑکے جلدی سے درخت کے پاس پہنچے۔ ایک لڑکے نے کہا: ”دیکھو میرا نشانہ کتنا صحیح ہے میں غلیل چلاؤں گا تو میرا ڈھیلا سیدھا بندر کے سر پر لگے گا۔“

تو تو کے قریب آکر چیں چو بھی کھڑی ہو گئی۔ پھدکو بندر درخت پر سے دیکھ رہا تھا کہ ایک لڑکا اس کو غلیل مارنے والا ہے۔ اُس نے سوچ لیا کہ جیسے ہی وہ لڑکا غلیل چلائے گا وہ چھلانگ لگا کر دوسری شاخ پر چلا جائے گا۔

لڑکے نے جیسے ہی غلیل سے نشانہ لگایا۔ تو تو نے ایسی زور سے بھون بھون بھونکا کہ وہ بُری طرح ڈر گئے اور غلیل وہیں پھینک کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ پھدکو نے دیکھا کہ لڑکے ڈر کر وہاں سے بھاگ گئے اور اس نے یہ بھی دیکھا کہ ان کو تو تو نے ڈرا کر بھگایا ہے۔

اب پھدکو بڑا شرمندہ ہوا۔ کہیں ڈھیلا اسے لگ جاتا تو؟ تو تو نے شرارتی لڑکوں کو بھگا کر اُس پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

پھدکو شاخ سے کود کر نیچے آیا اور تو تو سے بولا: ”بھیا! مجھے معاف کر دینا۔“

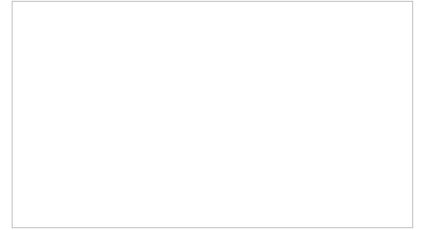
”کس بات کے لیے؟“ تو تو نے انجان بن کر پوچھا۔ ”کیا چیں چو دیدی نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟“ پھدکو نے کہا۔

”نہیں مجھے تو کچھ نہیں معلوم۔“ تو تو بولا اور چیں چو سے پوچھا: ”کیا بات ہے چیں چو؟“

”کچھ نہیں کوئی بات نہیں ہے۔“ چیں چو بولی۔ وہ تو تو کو کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی کہ کہیں پھدکو اور تو تو میں دراڑ پڑ جائے۔

”میں نے جو سمجھا وہ تمہیں بتا دیا۔“ پھدکو بولا۔ ”تم میری اچھی دوست ہو۔ اس لیے تم کو بتا دیا، نصیحت کردی، اب تمہاری مرضی تم میری بات مانو یا نہ مانو، لیکن یاد رکھنا وہ ضرور کسی دن تمہیں دھوکا دے گا۔“ پھدکو نے پر سے یہ بات دہرائی کہ: ”وہ تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھا جائے گا یا تمہاری دم چبا جائے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔“

چیں چو کو پھدکو کی یہ باتیں اچھی نہیں لگیں۔ یہ تو کسی کی برائی بیان کرنا ہوا، غیبت کرنا ہوا۔ برائی اور غیبت تو دشمن کی بھی نہیں کرنی چاہیے۔ غیبت کرنا یا کسی کی دوستی کو توڑنا یا کسی میں جھگڑا گلوادینا اچھی بات نہیں ہے بل کہ یہ تو سب سے بڑا دھوکا ہے۔ اُس نے یہ باتیں پھدکو سے نہ کہی بل کہ من ہی من میں سوچتے ہوئے چپ چاپ اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی۔



چیں چو اور تو تو ہمیشہ کی طرح کھیلتے رہے، ہنستے بولتے، گاتے رہے۔ چیں چو روز پھدکو کو کھیلنے کے لیے بلاتی رہی لیکن وہ بار بار بلانے کے باوجود بھی کبھی ان کے ساتھ کھیلنے کے لیے نہیں آیا۔ وہ یہی کہتا رہا کہ تو تو اُسے کاٹ لے گا، وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ بل کہ وہ چیں چو سے اکثر کہتا کہ: ”وہ کسی دن تمہیں دھوکا دے سکتا ہے وہ تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھا جائے گا یا تمہاری دم چبا جائے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔“

وقت گذرتا رہا کہ ایک دن جھاڑی کے قریب سے چند لڑکے جا رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں غلیلیں تھیں، وہ صورت شکل سے ہی بڑے شرارتی لگ رہے تھے۔ چیں چو اور تو تو جہاں کھیل رہے تھے وہ لڑکے وہیں سے گذرے تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا: ”میرا نشانہ ایسا پکا ہے کہ جس کو غلیل ماروں وہ بچ ہی نہیں سکتا۔ میں اڑتے ہوئے پرندے کا بھی نشانہ لگا سکتا ہوں۔“

”تو چلیں بندر کو غلیل ماریں۔“ ایک لڑکے نے کہا۔ ”وہ دیکھو! بندر شاخ پر بیٹھا ہے۔“

”ہاں دیکھیں! کس کا نشانہ صحیح بیٹھتا ہے؟“ ایک

نہا پانڈا

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

وہ جان بوجھ کر اس کو پکڑتے نہیں تھے بلکہ ابو کو بتا دیا کرتے تھے اور اسی لئے انہوں نے اسے فیل کیا تا کہ اس کو سزا دے سکیں اور اب اس کی سزا یہ تھی کہ وہ دوسری جماعت دوبارہ پڑھے گا۔ اس کے سب دوست تیسری جماعت میں چلے جائیں گے پورے جنگل میں اس کی بدنامی ہوگی۔ اب نہ اس کی سالگرہ پر شہد لگا بلاموں کا کیک آئے گا اور نہ ٹرائی سائیکل آئے گی۔ یہ سن کر پنکو کو بہت دکھ اور شرمندگی ہوئی اور اس نے امی، ابو اور سر سے وعدہ کیا کہ وہ اب بہت محنت سے پڑھے گا تا کہ ایمانداری سے اول پوزیشن حاصل کر کے اگلے سال تیسری جماعت میں جائے۔ اب ابو، امی، پرنسپل سر ایلی اور ٹیچر سر ٹیڈی اس سے بہت خوش تھے۔



نہا پانڈا پنکو آج کل بہت خوش تھا کیونکہ اس کی امی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ سالانہ امتحانات میں اول پوزیشن حاصل کرے گا تو وہ اس کی سالگرہ پر اس کا پسندیدہ شہد لگا بلاموں کا کیک منگوائیں گی اور ابو اسے ٹرائی سائیکل دلانیں گے۔ پنکو خوش تو تھا لیکن ساتھ ساتھ تھوڑا پریشان بھی تھا کیونکہ اس کا پڑھائی میں کچھ خاص دل نہیں لگتا تھا اسے تو صرف باہر جنگل میں دوستوں کے ساتھ کھیلنا اور شہد اور کیلے کھانا بہت پسند تھا۔ اب ظاہر ہے اول پوزیشن حاصل کرنے کے لئے تو بہت سارا پڑھنا پڑتا خاص طور پر سبق یاد کرنا تو دنیا کا سب سے مشکل کام لگتا تھا۔ رات بھر پنکو جاگتا رہا اور یہ ہی سوچتا رہا کہ کوئی ایسا طریقہ ہو کہ پڑھنا بھی نہ پڑے اور اول پوزیشن بھی آجائے۔

آخر کار صبح تک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی گئی۔ اب پنکو بہت مطمئن تھا، صبح وہ خوشی خوشی ”جنگل ماڈل اسکول“ جانے کے لئے تیار ہوا۔ آج انگلش کا پرچہ تھا، پنکو اپنی کلاس میں جا کے بیٹھ گیا۔

جونہی پرچہ شروع ہونے کی گھنٹی بجی۔ انگلش کے سر ٹیڈی (بھالو) نے پرچے اور کاپیاں تقسیم کیں، پنکو نے چپکے سے اپنے موزے میں سے ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا اور کاپی کے نیچے چھپا کر نقل کرنا شروع کر دی۔ ٹیڈی سر بھی حیران تھے کہ پنکو بڑی خاموشی سے پرچہ حل کر رہا ہے کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ پنکو کو پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔



جب سر رائنڈ لیتے پنکو لکھنا روک دیتا۔ سر کے جاتے ہی پھر شروع کر دیتا، اسی طرح چھوٹے چھوٹے پرچوں سے پنکو نے بڑی چالاکی کے ساتھ نقل کر کے پرچہ حل کیا۔ وہ چھوٹے پرچے دوبارہ موزوں میں چھپا کر ناظم ختم ہونے کے بعد پرچہ سر کو دے کر گھر آگیا۔

اسی طرح بہت مزے سے سارے پرچے دیتا رہا اور امتحان ختم ہو گئے۔ پنکو کو پورا یقین تھا کہ وہ لازمی اول پوزیشن حاصل کرے گا پھر وہ اپنی سالگرہ پر شہد لگا بلاموں کا کیک خوب مزے لے لے کر کھائے گا اور جنگل میں اپنی خوب صورت سی ٹرائی سائیکل لے کر گھومے گا تو اس کے سب دوست بہت متاثر ہو گئے۔

بالا آخر طویل انتظار کے بعد نتیجے کا دن آگیا۔ پنکو خوب تیار ہو کر امی، ابو کے ساتھ رزلٹ لینے گیا، جب دوسری جماعت کا نتیجہ سنانے کی باری آئی تو پنکو کا ننھا سا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ پرنسپل سر ایلی (ہاتھی) نے پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن لینے والے بچوں کے نام پکارے مگر یہ کیا ہوا؟ ان میں پنکو کا نام تو تھا ہی نہیں۔ اسے تو بہت رونا آیا۔ تھوڑی دیر تمام بچوں کو ان کی جماعت میں رزلٹ کارڈ دیئے گئے۔ جب پنکو کو رپورٹ کارڈ ملی تو اس میں بڑا لکھا تھا، ”فیل“۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ فیل ہو گیا ہے۔ سارے دوسری جماعت کے بچے ہنس رہے تھے، اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔

پنکو اپنی امی کے گلے لگ کے بہت رویا لیکن اس کے ابو بالکل خاموش بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر ابو نے پوچھا، ”سچ بتاؤ! تم نے امتحان سبق یاد کر کے دیا تھا یا نقل کی تھی؟“ پنکو کو ابو سے بہت ڈر لگ رہا تھا کیونکہ وہ شدید غصے میں تھے۔ جب ابو نے دوبارہ سخت لہجے میں پوچھا تو پنکو نے روتے ہوئے بتایا کہ، ”میں نے نقل کی تھی کیونکہ مجھ سے یاد نہیں ہو رہا تھا۔“

تب ابو نے بتایا کہ پرنسپل سر ایلی اور ٹیچر ٹیڈی سے ان کی پرانی دوستی ہے اور انہوں نے کہا کہ جب پنکو پرچہ حل کر رہا ہو تو چپکے چپکے خاموشی سے اس پر نظر رکھیں کہ وہ پرچہ کیسے حل کر رہا ہے۔ تو جب وہ نقل کر رہا ہوتا تو سر ٹیڈی اور سر ایلی کو پتہ چل جاتا تھا لیکن

کر لگائیں۔ گھنی ہو جائیں گیں۔

جلد کی حفاظت اور گھریلو نسخے

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

جلد کی تازگی

دھوپ کی الٹرا وائٹ شعاعیں جلد کو بہت نقصان پہنچاتی ہیں۔ خاص طور پر گرمیوں کے طویل موسم میں یہ اکثر خواتین کے لیے پریشان کن ثابت ہوتی ہیں۔ اور جلد کی تازگی ختم کر کے اسے جلد بوڑھا کر دیتی ہیں۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ آپ گھر سے باہر ہی نہ نکلیں۔ پر جب بھی نکلیں سن ہلاک ضرور لگائیں۔ یا میک اپ میں لمبی پروڈکٹ استعمال کریں جن میں ایس بی ایف ہو کوشش کریں کہ لمبی آستینوں والے کپڑے پہنیں۔ پیشانی کو دوپٹے یا اسکارف سے کور کریں۔ چہل قدمی صبح کے وقت کریں تاکہ آپ ان نقصان دہ شعاعوں سے کسی حد تک محفوظ رہ سکیں۔ اگر آپ اپنی جلد پر عمر کے بڑھتے اثرات سے پریشان ہیں جو ایسٹروجن اور دوسرے مختلف عوامل کی وجہ سے وجود میں آئے ہیں۔

کیل مہاسوں سے نجات

کیل مہاسوں سے نجات کے لیے چہرے پر نمک، سرکہ اور سفیدے کے پتے گرم پانی میں ڈال کر اسٹیم لیں۔ جبکہ لکڑی کے لیے دو عدد پودینے کے پتے، دو عدد سفیدے کے اور دو عدد نیم کے پتے لے کر پیسٹ بنائیں۔ اور لکڑی کی جگہ ایلای کریں۔ پینتالین منٹ کے بعد چہرہ صاف پانی سے دھو لیں۔ یہ نسخہ ہفتے میں دو دن استعمال کرنا ہے نتیجہ آپ کے سامنے ہوگا۔

ایکینی یا اسکن ڈبل ٹون کا حل

جن خواتین کو لکڑی یا سانولے رنگ کا مسئلہ ہو یا اسکن ڈبل ٹون ہو جائے ان کو چیلئے کہ وہ ایلورا کا جیل نکال کر سات سے دس قطرے اولیو آئل کے کس کر کے پیسٹ بنالیں۔ اور روز یہ کریں پیسٹ رات کو لگاکے سوئیں۔ پندرہ سے تیس دن میں اسکن بالکل صاف ہو جائے گی۔

جلد کا رنگ

تین میں لیون کے چند قطرے ڈال کر پیسٹ بنائیں۔ اور پھر اس سے سوپ کی جگہ روز منہ دھوئیں۔ اس سے لکڑی میں بھی کمی ہوگی اور جلد ک رنگ بھی خراب نہیں ہوگا بلکہ پہلے سے زیادہ صاف ہو جائے گا۔

جھریوں یا رنکلز سے گھر بیٹھے

نجات

جلد کو جھریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے دو گرام سلاجیت اور عرق گلاب ملا کر پیسٹ بنالیں۔ اور چہرے پر لگائیں۔ سوکھنے پر چہرہ دھو کر صاف کر لیں۔ انڈے کی سفیدی میں ایک چمچ شہد اور ایک چمچ زیتون کا تیل ملا کر چہرے پر لگانے سے بھی جلد ٹائٹ اور فریش ہو جاتی ہے اس کے علاوہ کچا دودھ بھی چہرے کے لیے مفید ہے۔

آئی برو اور لیشز گھنی کریں

جن بہنوں کی آئی برو یا جھنڈوں اور لیشز یا پلکیں ہلکی ہیں وہ روز رات کو کسٹر آئل میں زیتون کا تیل ملا

آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے یا ڈارک سرکلز

آنکھوں کے گرد اگر سیاہ حلقے ہیں۔ تو ان پر آلو کی قشلی یا کھیرا بھی رکھیں تو کافی سکون ملتا ہے اور تھکاوٹ دور ہوتی ہے آپ آلو کش کر کے اسے گول سانچے میں فریز کر کے بھی آنکھوں پر رکھ سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ اگر آپ کو ارجنٹ کسی تقریب میں جانا ہے اور میک اپ ان آئی سرکلز کو چھپانے میں ناکام ہو رہا ہے تو گھبرائے نہیں بلکہ دو اسٹیل کے چمچے تھوڑی دیر کے لیے فریزر میں رکھ دیں اور نکلے سے زرا دیر پہلے انھیں آنکھوں پر رکھ کر گولائی کی شکل میں ہلکا سا مساج کریں۔ یہ دب جائیں گے اور میک اپ میں نمایاں بھی نہیں ہوں گے۔

بڑھتے ہوئے وزن سے پریشانی

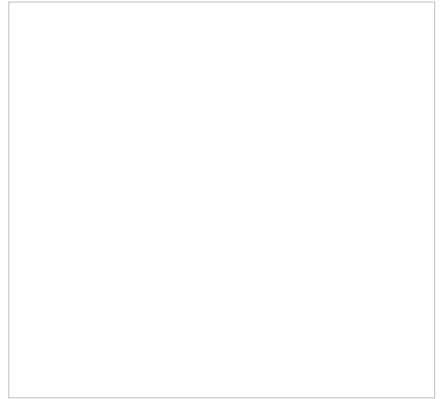
اگر آپ بڑھتے ہوئے وزن سے پریشان ہیں تو اسکا ایک آسان ساحل بھی موجود ہے دو سو پچاس گرام شہد لیں۔ ایک سو اسی ملی لیٹر سفید سرکہ اور دو سو پچاس گرام ہارڈ کٹا لہسن کے ساتھ اچھی طرح مکس کر کے کسی ایئر ٹائٹ بوتل میں بھر کر فریج میں رکھ دیں۔ اور روز نہار منہ ناشتے سے پہلے دو چمچے استعمال کریں۔

بیروں کی صفائی اور خوبصورتی کے لیے

ایک سفید شہد چمچیل کر اہال لین اور پھر کچل کر پانی میں ملا دیں اور شیشو اور تھوڑی ہلدی شامل کر کے کچھ دیر بیروں کو نیم گرم پانی میں ڈبو کر رکھیں۔ اس کے بعد پیڑی کیور کٹ اگر ہو تو ورنہ کسی نرم برش کی مدد سے انگلیوں اور ناخنوں کی اچھی طرح صفائی کریں۔ اور خشک کر لیں یہ عمل روز کریں۔ آپ پانی میں اورک کا پانی بھی ڈال سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ دودھ میں ہلدی ملا کر اس سے بھی پاؤں اور ہاتھوں کا مساج کر سکتی ہیں۔

توانا بال اب آپ بھی بنائیں

بال حسن کی علامت ہیں۔ اگر ان میں گرنے جھڑنے یا سفید ہونے یا خشکی کا عمل شروع ہو جائے یا دوشاخہ نیز ایسی کئی پرولمز ہیں جو بالوں کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ تو کوشش کریں کہ ان پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیں۔ اپنے شیپو اور تیل ہر دو ماہ بعد اپنے بالوں اور جلد کے مطابق تبدیل کریں۔ ہیز فال زیادہ ہو تو شیپو کا استعمال نہ کریں بہت سی جڑی بوٹیاں اسکا نعم البدل بھی ہو سکتی ہیں۔ جیسے املہ ریٹھا سیکا کاٹی۔ بال جھڑ کا استعمال کر سکتے ہیں۔ نہار منہ شہد کا استعمال کریں مچھلی کا استعمال زیادہ سے زیادہ رکھیں۔ اس کے علاوہ آپ تیل میں انڈے میں شہد اور لیمن جوس ملا کر بھی بالوں میں ہفتے میں ایک دن لگا کر مساج کریں اور تین سے چار گھنٹوں کے بعد سر کو اچھی طرح دھولیں تو اس سے بھی کافی فرق پڑے گا اگر بال تیزی سے گر رہے ہیں تو رات کو کچھ میٹھی کے دانے پانی میں بھگو کر رکھ دیں۔ اور صبح سر میں تین سے چار گھنٹے لگا کر سر کو کور کر دیں۔ پھر سر کو دھو کر جڑوں میں ہلکا سا آئل لگالیں۔ یا نیم گرم پانی میں لیمن ملا کر ہلکا سا مساج کر لیں۔ بال گرنا رک جائیں گے اور پتکدار بھی ہوں گے۔ اگر یہی عمل بکری کے دودھ کے ساتھ دہرایا جائے تو ایک سے ڈیڑھ ماہ میں ہی نتائج سامنے آجائیں گے اور بال پہلے سے اچھا اور گھنا نکلے گا یہ عمل ہفتے میں دو دفعہ لازمی کرنا ہے۔



سو بجے ہوئے پاؤں

اگر آپ کے پاؤں بیٹھے بیٹھے سو جاتے ہیں۔ تو روزانہ رات کو ایک پلاسٹک کے ٹب میں پانی کے اندر ایک چمچہ زیتون کا تیل ملا کر کچھ وقت کے لیے پاؤں پانی میں ڈبو کر رکھیں۔ جلد ہی تکلیف میں آرام ہوگا۔

§§§

Ketchup Kombo

Love Ketchup? This Ramadan, show us how much for a chance to win a

National

Gift Hamper!



Nestlé
EveryDay
مزیدار چائے ٹی لیے
175g

آپ کو چاہیے

اب Nestlé EVERYDAY 175g ہارڈ پیک میں دستیاب ہے جو آپ کی چائے کو دے خاص مزہ!

Shan
Sindhi Biryani Masala
سندھی بریانی مصالحہ

Shan Sindhi Biryani
Dawat Ka Maza Dobala

کمپیوٹر وائرس

مصنف: یوسف اقبال

کمپیوٹر وائرس (Computer Virus) ایسا پروگرام ہے جو اپنے آپ کو ایک Computer سے دوسرے کمپیوٹر میں داخل کرتا ہے اور جس میں بھی وہ داخل ہوتا ہے اس کے ہارڈویئر یا سوفٹ ویئر میں چھیڑ چھاڑ کرتا ہے۔

وائرس کا کام

وائرس کو اس طریقے سے ڈیزائن کیا جاتا ہے کہ وہ ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں منتقل ہوتے وقت یوزر کے علم سے بچ جائیں اور پتہ بھی نہ لگے کہ وائرس داخل ہو چکا ہے۔ جب وائرس کمپیوٹر میں داخل ہو جائے تو وہ کمپیوٹر کو اپنے کنٹرول میں لے لیتا ہے وائرس کی ان ہدایات کو جو کسی سسٹم کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے (Payload) کہا جاتا ہے تاہم (پے لوڈ) کسی بھی فال یا پیغام کو خراب کر دیتا ہے یا پھر اس کو بدل دیتا ہے۔ لہذا کمپیوٹر کا نظام خراب ہو جاتا ہے۔

وائرس کا اثر انداز ہونا

وائرس کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں؟ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ وائرس ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں منتقل ہوتے ہیں اور جب وہ اپنا کام شروع کر دیں تو پھر وہ کسی بھی فلیش ڈسک یا ہارڈ ڈرائیو جو ایک کمپیوٹر سسٹم کا حصہ ہے ان میں منتقل ہو جاتا ہے۔

78.jpg (447×268)

اور اس طرح سارے نیٹ ورک اور دوسرے کمپیوٹرز میں خرابیاں پیدا کرنے لگ جاتا ہے ایسے وائرس عام طور پر Professional Main Frame Systems کی نسبت Personal Computers میں زیادہ پائے جاتے ہیں کیونکہ ان پروگرامز کو سی ڈیز یا فلیش ڈسک کے ذریعے پھیلا یا جاتا ہے۔ جو Personal Computers کمپیوٹر استعمال کرنے والوں کے کام آتی ہے۔ وائرسز صرف اس وقت عمل پیر ہوتے ہیں جب ان کے پروگرام کو استعمال کیا جائے لہذا اگر کوئی کمپیوٹر کسی انٹلڈ نیٹ ورک سے منسلک ہے ضروری نہیں کہ اس کمپیوٹر خرابی پیدا ہو تاہم ایسے وائرس پروگرام ہیں جو کمپیوٹر یوزر کو لالچ دے کر اپنا پروگرام استعمال کرواتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض ایسے وائرس ہیں جو کسی اچھے پروگرام کے ساتھ اٹیچ ہو جاتے ہیں لہذا جب ان پروگرام کو چلایا جاتا ہے تو وائرس بھی ایکٹو ہو جاتے ہیں۔

وائرس کی تاریخ

1949ء میں ہنگری کا ایک باشندہ جو امریکہ میں قیام پزیر ہو چکا تھا یعنی (John Von Neumann) نے نیوجرسی کی ایک انسٹی ٹیوٹ میں یہ ارادہ کیا کہ اس بات کا پتہ لگایا جائے کہ کیا کمپیوٹر پروگرام ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں خود بخود منتقل ہو سکتے ہیں یا نہیں لہذا 1950ء کی دہائی میں ایک ایسی کھیل بنائی گئی جس کے نتیجے میں اس کھیل کو کھیلنے والے چھوٹے چھوٹے کمپیوٹر پروگرام بناتے تھے جو اپنے حریف کے سسٹم پر حملہ آور ہوتے تھے اور اسکے پروگرام کو مٹانے کی کوشش کرتے تھے۔

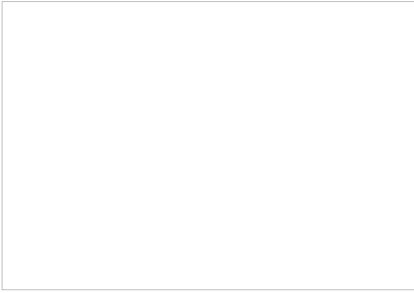
1983ء میں ایسے پروگرامز کو وائرس کا نام دیا گیا۔ 1985ء میں وائرس سے ملنے جلتے پروگرام سامنے آئے جس کے نتیجے میں وائرس پروگرام کو ترقی ملی 1986ء میں برین وائرس (Brain Virus) سامنے آیا۔ جو ایک سال کے اندر اندر ساری دنیا میں پھیل گیا۔ 1988ء میں ایک وائرس کا پتہ لگا جس نے پوری یونائیٹڈ اسٹیٹ میں تہلکہ مچا دیا اور اسی طرح 1990ء کی دہائی میں اور اسکے بعد تک وائرسز کی اقسام بہت ہی پیچیدہ ہو گئی۔



انگلش و نگلش

مصنف: یوسف اقبال

ایک چھوٹی سی USB میں سمٹ چکا ہے۔ ایسے میں انگریزی کو سب کے لیے قابل قبول بنانے کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی، اُردو کا حل تو ”رومن اُردو“ کی شکل میں بہت پہلے نکل آیا تھا، اب انگریزی کی مشکل بھی حل ہو گئی ہے۔ اب جو جتنی غلط انگریزی لکھتا ہے اتنا ہی عالم فاضل خیال کیا جاتا ہے، اگر آپ کو کسی دوست کی طرف سے میج آئے اور اُس میں That کی بجائے Dat لکھا ہو تو یہودہ سا قہقہہ لگانے کی بجائے ایک لمحے میں سمجھ جائیں کہ آپ کا دوست ایک ذہین اور دنیا دار شخص ہے جو جدید انگریزی کے تمام تر لوازمات سے واقف ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ شاید انگریزی میں اُردو اور پنجابی کا تزکا ہمارے ہاں ہی لگایا جاتا ہے لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا، سعودیہ میں مقیم میرا بھانجا بتا رہا تھا کہ یہاں کے عربی بھی انگریزی کا شوق پورا کر رہے ہوں تو جہاں جہاں انگریزی آنکھیں دکھاتی ہے وہاں یہ عربی کا لفظ ڈال لیتے ہیں، مثلاً اگر انگریزی میں کہنا ہو کہ یہ میرا گھر ہے تو بڑے آرام سے کہہ جاتے ہیں ”ہذا مائی ہوم“۔



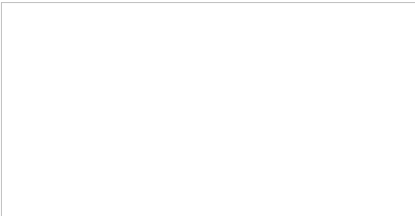
انگریزی اتنی آسان ہو گئی ہے لیکن بڑے دکھ کے ساتھ بتانا پڑ رہا ہے کہ یہ آسان انگریزی صرف ہماری عام زندگیوں میں ہی قابل قبول ہے، انگریزی کا مضمون پاس کرنے کے لیے تاحال اُسی جتنائی انگریزی کی ضرورت ہے جو خود انگریزوں کو بھی نہیں آتی۔

§§§

انگریزی میں بھی ایسی ایسی مشکلات آن پڑی ہیں کہ کئی دفعہ جملہ سمجھنے کے لیے استعارہ کرنا پڑتا ہے۔ ابھی کل مجھے ایک دوست کا میج آیا، لکھا تھا ”U r inv in bk crmy“ میں نے حیرت سے میج کو پڑھا، اللہ جانتا ہے تین چار دفعہ مجھے شک گذرا کہ اُس نے مجھے کوئی گندی سی گالی لکھی ہے، دل مطمئن نہ ہوا تو ایسی ہی انگلش لکھنے اور سمجھنے کے ماہر ایک اور دوست سے رابطہ کیا، اُس مرد مجاہد نے ایک سینئر میں ٹرانسلیشن کر دی کہ لکھا ہے ”You are invited in book's ceremony!!!“

انگریزی سے نمٹنے کا ایک اور اچھا طریقہ میرے ہمسائے شاکر صاحب نے نکالا ہے، جہاں جہاں انہیں انگریزی نہیں آتی وہاں وہ اطمینان سے اُردو ڈال لیتے ہیں۔ مثلاً اگر کھانا کھاتے ہوئے انہیں کسی کا میج آجائے تو جواب میں لکھ بھیجتے ہیں ”پلیز اس ٹائم ناٹ ڈسٹرب، آئی ایم کھانا کھاؤنگ“۔ ایک دفعہ موصوف کو فیس بک پر ایک لڑکی پسند آگئی، فوراً لکھا ”آئی وائٹ ٹو شادی وڈ یو۔۔۔ آر یو راضی؟“۔ لڑکی کا جواب آیا ”ہاں آئی ایم راضی، بٹ پہلے ٹرائی ٹو راضی میرا بیو تے بے بے“۔ آج کل یہ دونوں میاں بیوی ہیں اور اکثر اسی انگریزی میں لڑائی جھگڑا کرتے ہیں، تاہم اب وہ درمیان میں اُردو کی بجائے پنجابی بولتے ہیں اور ایک جملہ بار بددہراتے ہیں ”آئی سیڈ کھسماں نوں کھا، یور سارا خاندان لا چول“۔

انگریزی کے بدلتے ہوئے رنگ صرف یہیں تک محدود نہیں، اب تو کوئی صحیح انگلش میں جملہ لکھ جائے تو اُس کی ذہنی حالت پر شک ہونے لگتا ہے، ماڈرن ہونے کے لیے انگریزی کا بیڑا غرق کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے، میں تو کہتا ہوں انگریزی کی صرف ٹانگ ہی نہیں، دانت بھی توڑ دینے چاہئیں، اِس بدبخت نے ساری زندگی ہمیں خون کے آنسو رلایا ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اب انگریزی لکھنے کے لیے گرامر اور Tenses بھی غیر ضروری ہو گئے ہیں۔ یعنی اگر کسی کو کہنا ہو کہ ”میں تمہارا منتظر ہوں، تم کب تک آؤ گے؟“ تو بڑی آسانی سے اِسے چکیوں میں یوں لکھا جاسکتا ہے m wtg u cm whn!!!



دنیا مختصر سے مختصر ہوتی جا رہی ہے، کمپیوٹر ڈیسک ٹاپ سے لیپ ٹاپ اور اب آئی بیڈ میں سا چکے ہیں، موٹے موٹے نی وی اب سمارٹ ایل سی ڈی کی شکل میں آگئے ہیں، ونڈو اے سی کی جگہ سپلائی اے سی نے لے لی ہے، انٹرنیٹ

مجھے بچپن سے ہی انگریزی میں فیل ہونے کا شوق تھا لہذا میں نے ہر کلاس میں اپنے شوق کا خاص خیال رکھا۔ ویسے تو مجھے انگریزی کوئی خاص مشکل زبان نہیں لگتی تھی، بس ذرا سپیلنگ، گرامر اور Tenses نہیں آتے تھے۔ مجھے یاد ہے جو ٹیچر ہمیں کلاس میں انگریزی پڑھایا کرتے تھے وہ بھی کٹھے انگریز ہی تھے، دو سال تک ”سی۔۔۔ یو۔۔۔ پی۔۔۔“ ”سپ“ پڑھاتے رہے، مشین کو ”مچین“ اور نالچ کو ”ننالچ“ کہتے رہے۔ ایسی تعلیم کے بعد میری انگریزی میں اور بھی لکھا ر آگیا، مجھے یاد ہے میٹرک کے داخلہ فارم میں جب ایک کالم میں ”Sex“ لکھا ہوا تھا تو میں کافی دیر تک شرماتے ہوئے سوچتا رہا کہ ایک لائن میں اتنی لمبی تفصیل کیسے لکھوں؟؟؟ فارم کے پہلے کالم میں اپنا نام انگریزی میں لکھنا تھا لیکن انگریزی سے نااہل ہونے کی وجہ سے مجھے یہ نام لکھنے کے لیے اسلام آباد کا سفر کرنا پڑا کیونکہ فارم پر لکھا ہوا تھا ”Fill in capital“۔ انگریزی فلمیں دیکھتے ہوئے بھی مجھے کہانی تو سمجھ آ جاتی تھی، سٹوری پلے نہیں پڑتی تھی۔ سکس ملین ڈالر مین، نائٹ رائیڈر، چیس، ایر وولف اور کوجیک جیسی مشہور زمانہ فلمیں میں نے صرف اور صرف اپنی ذہانت سے سمجھیں اور انجوائے کیں۔

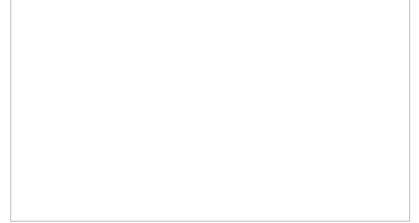


آج سے کچھ سال پہلے تک مجھے یقین ہو چکا تھا کہ میں فارسی، عربی، پشتو اور اشاروں کی زبان تو سیکھ سکتا ہوں لیکن انگریزی نہیں، لیکن اب جو حالات چل رہے ہیں اُن کو مد نظر رکھ کر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یا تو مجھے انگریزی آگئی ہے، یا سب کو بھول گئی ہے۔ کچھ بھی ہو، میری خوشی کی انتہا نہیں، اب سارے سپیلنگ بدل گئے ہیں اور دو تین لفظوں میں سا گئے ہیں۔ اب Coming لکھنا ہو تو صرف cmg سے کام چل جاتا ہے۔ گرل فرینڈ GF ہو گئی ہے اور فیس بک FB بن گئی ہے۔ اب کوئی انگریزی کا لمبا لفظ لکھنا ہو تو اُس سے پہلے کے چند الفاظ لکھ کر ہی ساری بات کہی جاسکتی ہے، میں نے ساڑھے تین سال کی ”ٹیوشنِ ہشتت“ کے بعد unfortunately کے سپیلنگ یاد کیے تھے، آج کل صرف Unfort سے کام چل جاتا ہے یعنی جہاں سے مشکل سپیلنگ شروع وہیں پہ ختم۔ بات یہاں تک رہتی تو تھیک تھا لیکن اب تو اس مختصر

انوکھی سزا

مصنف: سفیان خان

”حسن، بیٹا، دوکان سے ایک کلو چینی جلدی سے لے آؤ،“ حسن کی امی نے حسن کو دیکھ کر بلند آواز سے کہہ دیا۔ حسن اس وقت کھیل کر گھر میں داخل ہو رہا تھا۔



”جی امی! ابھی جاتا ہوں“ حسن نے جواب دیا، اور گھر سے کچھ ہی دور موجود دوکان کی طرف چل پڑا، دوکان پر پہنچ کر حسن نے ایک کلو چینی کا آرڈر دیا۔

دوکاندار حسن کی بات سن کر مڑا اور دوکان کے اندرونی حصے کی طرف چینی لینے کے لئے چلا گیا، اسی دوران حسن کی نگاہ دوکان میں سامنے ریگ پر رکھے ایک ڈبہ پر پڑی جو رنگ برنگے ٹیکوں سے بھرا پڑا تھا، حسن اس وقت جھوکا تھا، اسکے دل میں نہ جانے کیا خیال آیا اس نے دوکاندار کو اپنی طرف متوجہ نہ پا کر جلدی سے ایک ٹیک اٹھایا اور منہ میں ڈال کر ٹکے کی کوشش کرنے لگا، اسی دوران دوکاندار واپس آگیا، اور حسن کو چینی دی، حسن نے چینی لے کر رقم ادا کی، اور گھر کی طرف چل پڑا۔

حسن دل ہی دل میں بہت خوش تھا کہ دوکاندار اسکی چوری کو نہیں دیکھ سکا، اور ٹیک مفت میں اس نے کھا لیا، ٹیک کا ذائقہ حسن کو بہت اچھا لگا، لیکن اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جب سے اس نے ٹیک کھایا ہے اسکے گلے میں کوئی چیز پھنس سی گئی ہے۔

حسن گھر پہنچا، ماں کو چینی تھائی اور ایک کمرے میں موجود آئینے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا، حسن نے اپنا منہ کھولا اور آئینے کی مدد سے گلے میں جھانکنے لگا، وہ کون سی چیز ہے جو اس کے گلے میں پھنس گئی ہے، اور اب تو درد بھی ہونے لگا تھا۔ حسن زور لگا کر پورا منہ کھولنے کی ناکام کوشش کرتا رہا، مگر اسے کوئی چیز نظر نہیں آئی۔

ابھی حسن آئینے کے سامنے کھڑے منہ کھولے دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک حسن کی امی کمرے میں داخل ہوئیں اور حسن کو یوں منہ کھولے آئینے کے سامنے کھڑا دیکھ کر حیران ہوئیں، اور پوچھا، حسن بیٹا اس طرح منہ کھولے آئینے کے سامنے کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔

حسن اپنی امی کو سامنے دیکھ کر گھبرا گیا، اور بولا، نہیں امی، بس ویسے ہی کھڑا ہوں۔

ابھی حسن نے بس اتنا ہی کہا تھا کہ اس کے گلے میں ایسا شدید درد ہو رہا جیسے اسکے گلے کو کسی نے تیز دھار آلے سے کاٹ دیا ہو، حسن وہیں زمین پر لوٹ لوٹ ہو گیا۔

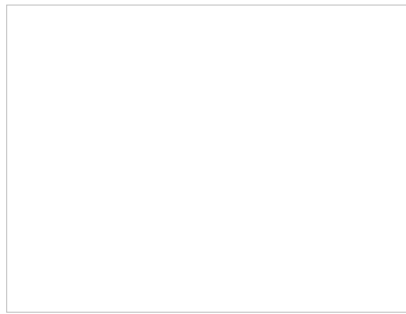
حسن کی امی یہ دیکھ کر گھبرا گئیں کہ اچانک میرے بیٹے کو کیا ہو گیا ہے؟ حسن کی امی نے جلدی سے حسن کو سیدھا کر کے بستر پر لٹایا اور پوچھا کہ کیا ہوا ہے بیٹا؟

حسن مسلسل چیخے، چلائے جا رہا تھا، اس کے گلے سے عجیب و غریب آوازیں نکل رہی تھیں، اسکے منہ سے ہلکا سا خون بھی باہر نکل رہا تھا۔ اب حسن کو یقین ہو گیا تھا کہ اسکے گلے میں کوئی چیز موجود ہے جسکی وجہ سے اسکی یہ حالت ہو گئی ہے۔ حسن کی امی یہ سب دیکھ کر شپٹا گئیں اور زور زور سے سب گھر والوں کو آوازیں دینے لگیں، حسن کے ابو، دادا، دادی، بہن، بھائی سب دوڑے چلے آئے، اور حسن کی حالت دیکھ کر سب گھبرا گئے۔

حسن کے دادا نے جلدی سے پانی منگوا لیا اور حسن کو بہت سا پانی پلایا لیکن کچھ افادہ نہ ہوا۔ حسن کا درد اور ٹھیس ویسی ہی رہی، اس کی حالت غیر ہو رہی تھی، وہ دل ہی دل میں اس وقت کو کوس رہا تھا، جب اس نے چوری چیخے وہ ٹیک کھایا تھا۔

حسن کی دادی اماں نے ایک روٹی کا ٹکڑا منگوا لیا اور حسن کے منہ میں ڈال دیا، حسن نے اس روٹی کے ٹکڑے کو باہر اگل دیا، اس سے کچھ نہیں کھایا جا رہا تھا۔

تب حسن کے ابو نے سختی سے پوچھا کہ حسن سچ بتاؤ کیا کھایا تھا جس کی وجہ سے یہ حالت ہو رہی ہے، حسن نے جب یہ دیکھا کہ اب بتانے کے سوا کوئی چارہ نہیں، تو اس نے روتے ہوئے شرمندہ لہجے میں سب کو بتادیا کہ اس نے دوکاندار کی نظروں سے بچ کر ایک ٹیک کھایا تھا تب سے اس کے گلے میں کوئی چیز پھنس گئی ہے۔



حسن کے ابو نے ایک خشک روٹی کا بڑا سا ٹکڑا منگوا لیا اور حسن کو اسکے ٹکڑے کا حکم دیا، حسن نے بہت انکار کیا، مگر اس کی ایک نہ چلی، مجبوراً اس نے وہ ٹکڑا منہ میں رکھا اور اسے ٹکے کی کوشش کرنے لگا، حسن کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، وہ برے برے منہ بنا رہا تھا، اور دل میں اپنے آپ پر لعن طعن کر رہا تھا کہ کاش وہ ٹیک کھانے کی غلطی نہ کرتا۔

حسن مسلسل اس خشک روٹی کے ٹکڑے کو ٹکے کی کوشش کر رہا تھا، کہ اچانک اسے زوردار اچانک آئی اور

مسئلے شروع ہو گئیں، جیسے ہی قے رکی، حسن کو گلے میں کچھ سکون محسوس ہوا، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اب اسکے گلے میں کوئی چیز نہیں ہے، اب اسے درد بہت کم محسوس ہو رہا تھا۔ حسن کے ابو اب اس قے کو دیکھ رہے تھے کہ آخر کیا چیز حسن کے گلے میں پھنس بن کر اسے تکلیف دے رہی تھی۔

اچانک حسن کے ابو کو کسی کالی سی چیز کے ٹکڑے نظر آئے، غور سے دیکھنے پر پتا چلا کہ یہ چیونٹے کا پچھلا حصہ ہے اور یہی چیونٹا حسن کے گلے میں پھنس گیا تھا، اسی کے کاٹنے کی وجہ سے حسن کی حالت غیر ہو گئی تھی، چیونٹے دیکھ کر اب سب کو یہ بات سمجھ آگئی تھی کہ جب حسن نے جلدی سے ٹیک اٹھا کر منہ میں ڈالا تھا، تو اس وقت وہ چیونٹا اس ٹیک پر بیٹھا تھا، وہ بھی ٹیک کے ساتھ حسن کے منہ میں چلا گیا، لیکن پیٹ میں جانے کی بجائے حلق میں پھنس کر رہ گیا، اور باہر نکلنے کی مسلسل کوشش کرنے کی وجہ سے حسن کو یہ سب کچھ جھیلنا پڑا۔ حسن کو اس کے کیے کی سزا مل چکی تھی۔ وہ سب گھر والوں کے سامنے ندامت کھڑا تھا۔ حسن کے ابو نے حسن کو گلے سے لگا لیا اور معاف کر دیا۔ اور وعدہ لیا کہ آئندہ حسن کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

اگلے دن جب حسن کی حالت کچھ سنبھل گئی تو حسن کی امی نے حسن کو پانچ روپے دیے اور کہا کہ جاؤ بیٹا یہ پیسے دوکاندار کو دے آؤ۔ یہ اس ٹیک کے پیسے ہیں جو تم نے کل کھایا تھا، حسن اسی دوکان پر چلا گیا اور دوکاندار سے کہا کہ معذرت اٹکل، کل آپکی دوکان سے میں نے غلطی سے ٹیک کھایا تھا اور پھر حسن نے جیب سے پیسے نکالے اور دوکاندار کی طرف بڑھا دیئے۔ دوکاندار حسن کی اس ایمانداری کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور سامنے پڑے ہوئے اسی کل والے ٹیک کی طرح ایک اور ٹیک نکال کر حسن کی طرف بڑھا دیا اور کہا۔ یہ ٹیک لے لو بیٹا، یہ میری طرف سے اس ایمانداری کا انعام سمجھ کر کھا لو، حسن نے جیسے ہی ٹیک دیکھا اسے کل خود کے ساتھ پیتا ماجرا یاد آگیا، اسے یوں محسوس ہوا جیسے اسکے گلے میں پھر سے کوئی چیز پھنس گئی ہو حسن فوراً گھر کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ دوکاندار حسن کو یوں بھاگتا دیکھ کر حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ کتنا پیدار اور نیک بچہ ہے، ایسا بچہ آجکل کہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اب اسے کیا معلوم کہ حسن کے ساتھ یہ ٹیک کھانے کی وجہ سے کیا بنتی۔ حسن نے گھر پہنچ کر اطمینان کا سانس لیا اور دل میں تہیہ کر لیا کہ آئندہ وہ کبھی چوری نہیں کرے گا اور نہ ہی کبھی ٹیک کھائے گا۔ یوں حسن کی پہلی غلطی اس کی آخری غلطی بن گئی۔

گاڑھا ترنگہ
بنائے
جی بھر چائے

چائے کا صحیح جوڑا!



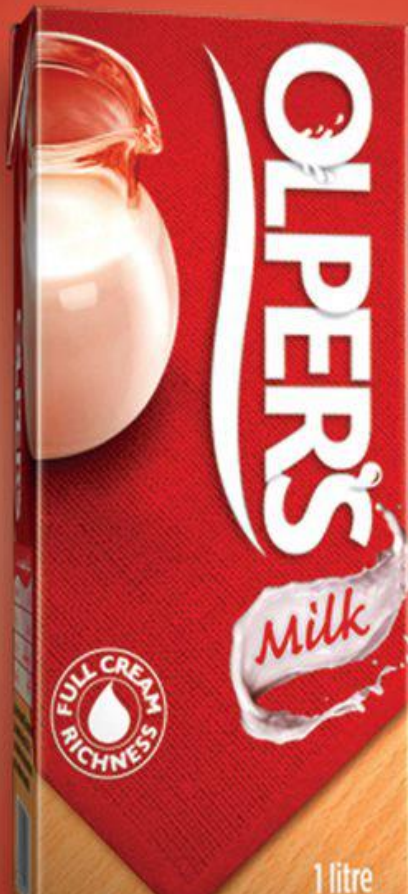
ترنگہ
ہی ہے چائے کا صحیح جوڑا

200ml

Ingredients: Instant Tea, Sugar, Milk, Natural Flavors, Citric Acid, Potassium Sorbate (Preservative), Vanillin.

100% QUALITY
Premium
PREPARED WITH SUGAR

Liquid
Tea Whitener



CHOOSE TO PUT SOMETHING NEW ON YOUR TABLE

THE NEW OLPER'S

FULL CREAM RICHNESS IN A FRESH NEW LOOK

بے چین

مصنف: یوسف اقبال

میکوئن نے سامنے بیٹھے امیدوار کی طرف غور سے دیکھا۔ یہ دبلا پتلا گندی رنگت کا آدمی کام کی تلاش میں آیا تھا۔ میکوئن نے اسے بتایا کہ یہ کام بہت مشقت والا اور عارضی ہے تمہیں نقد ادائیگی کی جائے گی۔ یہ پرانی عمارتیں گرانے کا کام ہے جس میں خطرہ بھی ہے لیکن بیمہ یا صحت کے علاج کے سلسلے میں مہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

رام لعل نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ اس کا تعلق بھارتی علاقے راجستھان کے ایک غریب گھرانے سے تھا۔ وہ طب کی تعلیم پانے آئرلینڈ آیا تھا۔ اس کا آخری سال تھا، اپنی ضروریات پورا کرنے کی خاطر اسے مزید آمدن درکار تھی۔ اسی لیے وہ ٹھیکیدار کے دفتر عارضی ملازمت حاصل کرنے آیا تاکہ موسم گرما کی چھٹیوں میں کچھ آمدن حاصل کر سکے۔ میکوئن نے رام لعل سے کہا، وہ کل سے کام پر جائے۔ اوقات صبح ۷ بجے سے شام کے ۷ بجے ہیں۔ تمام مزدوروں کو ٹرک صبح ۶ بجے اسٹیشن کے سامنے سے لیتا ہے۔

ان کا انچارج بل کیمرن ہے، میں اسے بتا دوں گا۔ رام لعل دفتر سے باہر آیا اور ایک کمرہ تلاش کرنے لگا۔ کوشش کے بعد اسے اسٹیشن کے قریب ایک کمرہ مل گیا۔ اتوار کے روز وہ اپنے مختصر سامان کے ساتھ اس کمرے میں مستقل ہو گیا۔ دوپہر کے وقت وہ بستر پر لیٹا اپنے گائوں کی پہلاڑیوں، کھیتوں اور کسانوں کو یاد کرتا اور سوچتا رہا تھا کہ جلد اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹر بن کر گائوں چلا جائے گا۔ پیر کی صبح رام لعل جلدی اٹھا اور ۶ بجے کے قریب مقررہ مقام پر پہنچ گیا۔ کچھ دیر بعد ٹرک پہنچ گیا۔ اس وقت تک ۱۲ افراد جمع ہو چکے تھے۔ رام لعل کچھ دور ہٹ کر انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی ہی دیر میں گروپ انچارج بھی پہنچ گیا۔ اس کے پاس مزدوروں کی فہرست تھی اور وہ سب کو جانتا تھا۔ رام لعل اس کے قریب پہنچا تو فورمین نے پوچھا ”کیا تم وہی کالے آدمی ہو جسے میکوئن نے ملازم رکھا ہے۔“ اس نے کہا ”ہاں میں ہی ہری کشن رام لعل ہوں۔“ فورمین بل کیمرن کا رویہ اس کی شخصیت کا آئینہ دار تھا۔ اس کا قد ۶ فٹ ۱۳ انچ اور جسم طاقتور تھا، شکل سے بھی وہ ایک پہلوان معلوم ہوتا۔ غصہ اس کی ناک پر دھرا رہتا تھا۔ اس نے حقارت سے زمین پر تھوک اور رام لعل سے کہا ”جانو ٹرک میں بیٹھو۔“ دوران سفر ایک شخص نے پوچھا ”تم کہاں سے آئے ہو۔“ اس نے کہا ”بھارت کے علاقے راجستھان سے۔“ آدمی نے پوچھا ”کیا تم عیسائی ہو؟“ رام لعل نے کہا ”میں ہندو ہوں۔“

اس شخص نے پھر جس کا نام برنس تھا، باقی لوگوں سے رام لعل کا تعارف کرایا۔ ایک شخص نے کہا ”تمہارے پاس کھانا نہیں ہے؟“ رام لعل نے کہا ”میں کل سے لاؤں گا۔“ دوسرے شخص نے پوچھا ”کیا تم نے ایسا مشق کام پہلے کیا ہے؟“ رام نے نفی میں سر ہلادیا۔ اس شخص نے کہا ”تمہیں مضبوط جوتے اور دستانے بھی خریدنے ہوں گے۔“ ہاتوں ہاتوں میں رام لعل نے بتایا کہ وہ طب کا طالب علم ہے اور اسے مجبوراً یہ کام کرنا پڑ رہا ہے تاکہ کچھ زائد آمدن حاصل کر سکے۔ ٹرک ڈویلڈ روڈ پر ایک کچے راستے پر درختوں کے قریب رک گیا۔ وہاں کومبر کے کنارے شراب کی ایک پرانی فیکٹری تھی جسے گرایا جاتا تھا۔

عمارت کے مالک کی خواہش تھی کہ کم سے کم رقم خرچ ہو۔ لہذا اس نے کسی بڑی کمپنی کے بجائے ٹھیکیدار میکوئن سے بات کی جو مناسب رقم میں بغیر مشینری کے عمارت گرانے کے لیے تیار ہو گیا۔ میکوئن کے مزدوروں نے یہ کام بھاری ہتھوڑوں اور کدالوں کی مدد سے کرنا تھا۔ میکوئن کو یہ بھی لالچ تھا کہ عمارت ٹوٹنے سے نکلنے والی لکڑی اور سیکڑوں ٹن اینٹیں فروخت کر کے اضافی آمدنی حاصل ہوگی۔ مزدور اوزار اٹھائے عمارت کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے پاس بڑے ہتھوڑے، لمبی چھینیاں اور رے تھے۔

فورمین نے کہا ”چلو بھیجی کام شروع کرو۔ ہم سب سے پہلے چھت کی ٹائلیں توڑیں گے۔“ رام لعل نے اندر چھت دیکھی جو کسی چار منزلہ عمارت کے برابر اونچی تھی۔ اسے اونچائی سے خوف آتا تھا۔ ایک آدمی نے پرانی لکڑی کا دروازہ توڑا اور آگ جلا کر چائے کا پانی رکھا۔ سب لوگوں نے تام چینی کے گم نکالے اور چائے پینے لگے۔ رام لعل نے سوچا کہ کل وہ گم بھی خرید لے گا۔ تام برنس نے اپنے گم میں رام لعل کو چائے دی۔ چھت پر کام شروع ہو گیا۔ ٹائلیں اکھاڑ کے نیچے پھینکی جانے لگیں۔ ۱۲ بجے کے بعد کھانے کا وقفہ ہوا اور سب لوگ نیچے آگئے۔ چائے بنی اور رام لعل کے سوا سب مزدوروں نے کھانا کھایا۔ اس نے اپنے ہاتھ دیکھے جو جگہ جگہ سے پھل گئے تھے اور سارا جسم دکھ رہا تھا۔

برنس نے رام لعل سے کہا ”لو تم بھی سینڈوچ کھا لو، میرے پاس کافی ہیں۔“ بل کیمرن سامنے بیٹھا تھا، اس نے برنس سے کہا ”تم کیا کر رہے ہو۔ کالے کو اپنا کھانا خود لانے دو، تم صرف اپنی فکر رکھو۔“ برنس نے اپنی نظریں جھکائیں کیونکہ کوئی بھی فورمین کے آگے نہیں بول سکتا تھا۔ پورے ہفتے کام چلتا رہا۔ عمارت کی چھت، دیواریں، دروازے اور کھڑکیاں نیچے بلے کے ڈیچر پر گرتی رہیں۔ رام لعل کے لیے یہ سخت محنت کا کام تھا، ہاتھ زخمی ہو گئے لیکن رقم کی خاطر وہ محنت کرتا رہا۔ اس دوران فورمین بل کیمرن جسے لوگ ”بگ بلی“ بھی کہتے تھے، رام لعل کے پیچھے رہا۔ گلا مشکل سے مشکل کام اسے دیا جاتا اور وہ بے عزتی کرنے کا بھی کوئی موقع ضائع نہ کرتا۔

ہفتے کے روز تک اندر کا کام پورا ہو چکا۔ اب باہر کی دیواریں باقی تھیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دیواروں میں نیچے ڈانکناٹ لگایا جاتا تو ایک ساتھ پورا ملبہ نیچے آگرتا۔ لیکن میکوئن کے لیے یہ طریقہ ناقابل عمل تھا۔ اس کے لیے لائسنس کی ضرورت تھی جو شمالی آئرلینڈ میں مشکل کام تھا۔ اس کے علاوہ محکمہ ٹیکس اور انشورنس والوں کو بھی ادائیگی کرنا پڑتی۔ لہذا یہ سارا کام مزدوروں کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ خود کو خطرہ میں ڈالتے دیواریں ہتھوڑوں سے توڑ رہے تھے۔ کھانے کے وقت فورمین نے ادھر ادھر گھوم کر کام کا جائزہ لیا اور پھر کہا کہ اس طرف کی دیوار کا بڑا حصہ پہلے توڑنا ہے۔ پھر وہ رام لعل کی طرف مڑا اور کہا ”میں چاہتا ہوں کہ تم اوپر چڑھو اور جب دیوار گرنے لگے تو اسے باہر کی طرف دھکا دو۔“

بل کیمرن جانتا تھا کہ رام لعل اونچائی سے ڈرتا ہے۔ رام لعل نے جواب دیا ”اس پوری دیوار میں دراز پڑی ہوئی ہے۔ جو بھی اوپر گیا، وہ اس کے ساتھ ہی گرے گا۔“ بل کیمرن کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، وہ چنچ کر بولا ”تم مجھے میرا کام مت سمجھاؤ۔ کالے آدمی، جیسا تم سے کہا، وہی کرو۔“ رام لعل اٹھا اور فورمین کے سامنے جا کر بولا۔ ”مٹر کیمرن! ایک بات صاف ہونی چاہیے۔ میرا تعلق راجپوت قبائل سے ہے۔ گو اس وقت میرے پاس تعلیمی اخراجات کے لیے رقم کم ہے لیکن میرے آبا ء واجداد میں دو ہزار سال قبل راجہ، مہاراجہ، شہزادے اور فوج کے سپہ سالار گزرے ہیں۔

اس وقت تم لوگ بندروں کی طرح چاروں ہاتھ پیر پر چلتے اور کپڑوں کی جگہ کھال پہنتے تھے۔ براہ مہربانی آپ میری بے عزتی کرنا بند کردیں۔ ہر انسان کی اپنی عزت ہوتی ہے جس کی حفاظت اس کا فرض ہے۔“ رام لعل کی یہ مختصر تقریر سب لوگوں نے دم بخود سنی۔ بل کیمرن کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔ اس نے چنچ کر گالی دی اور کہا ”چھا تو تم واقعی عزت دار تھے۔“ ساتھ ہی اس نے رام لعل کے منہ پر اٹلے ہاتھ کا زوردار چھڑر رسید کیا۔ پتھارا رام لعل زمین سے اڑ کر کئی فٹ دور جا گرا۔ برنس کی آواز آئی ”لڑکے زمین سے اٹھنا مت، ورنہ بگ بلی تمہیں جان سے ہی مار دے گا۔“ رام لعل نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو دیوڑاہ بل کیمرن مٹھیاں بند کئے اس کے اٹھنے کا منتظر تھا۔

رام لعل کا اس سے کوئی مقابلہ نہ تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور خاموشی سے پڑا رہا۔ ڈھک اور بے عزتی کی تکلیف سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ بند آنکھوں سے رام نے خود کو وطن میں پایا جہاں اس کے آباء واجداد گھوڑوں پر سوار، تلواروں اور نیزوں سے لیس آس پاس سے گزرتے اسے صرف ایک لفظ کہہ رہے تھے ”انتقام، انتقام۔ تمہیں اپنی بے عزتی کا انتقام لینا ہوگا۔“ رام لعل خاموشی سے اٹھا اور کام میں لگ گیا۔ سارا دن نہ وہ کسی سے بولا اور نہ کوئی بات کی۔ اس رات

چھوٹے سے سوراخ سے سانپ نکل کر اندرونی سلائی میں چھپ گیا تھا۔ شام کو واپسی کے وقت فورسز نے اپنی جیکٹ اتار کر اپنے برابر رکھ لی اور مقررہ مقام پر سب لوگ اتر کر اپنے گھر جانے لگے۔

رام لعل نے برنس سے پوچھا کہ کیا بل کیمرن کے بیوی بچے ہیں؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ رام لعل اپنے کمرے پہنچا اور دل سے دعا کرنے لگا کہ میں اپنی بے عزتی کا بدلہ بل کیمرن سے لینا چاہتا تھا لیکن اس کے بیوی بچوں کو نقصان پہنچانا میرا مقصد ہرگز نہیں۔ اتوار کا دن بھی انہی سوچوں میں گزر گیا۔ پیر کی صبح بل کیمرن اور اس کے بیوی بچے صبح ۶ بجے کے قریب اٹھے اور ناشتا کرنے باورچی خانے میں جمع ہو گئے۔ بل کیمرن کام پہ جانے کے لیے تیار ہوا۔ اس نے بیٹی سے کہا کہ ذرا میری جیکٹ تو لانا۔ وہ الماری سے نکال کر لائی۔ بل نے کہا: ”اسے دروازے کے پیچھے ٹانگ دو۔ میں ابھی لیتا ہوں۔“ جب بیٹی نے جیکٹ ٹانگی تو وہ پھسل کر باورچی خانے کے فرش پر گر پڑی۔ بی بی نے غصے سے کہا ”تم سے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہوتا۔ جیکٹ اٹھا کر اچھی طرح ٹانگو۔“ ”بابا، یہ آپ کی جیکٹ سے کیا چیز گری۔

اور جسم پتلا ہوتا ہے۔ زہریلے دانت شکار کی جلد پر سوئی جیسے دو سوراخ چھوڑتے ہیں۔ زہر اتنا تیز اثر ہوتا ہے کہ دو تین گھنٹوں میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ موت کا سبب دماغ میں خون کا اخراج ہوتا ہے۔ رام لعل نے دکان کے مالک سے پوچھا کہ اس سانپ کی کیا قیمت لوگے؟ کچھ دیر بحث کے بعد سودا ۳۵۰ روپے میں طے ہو گیا۔ رام لعل سانپ کو ایک ڈھکن والی بوتل میں بند کر کے گھر چلا آیا۔ لندن سفر کے لیے رام لعل نے ایک سگار بکس خریدی۔ اسے خالی کر کے اس میں پندرہ چھوٹے سوراخ کیے اور سانپ نرم پتوں کے ساتھ سگار بکس میں بند کر کے اسے اچھی طرح ٹیپ سے بند کر دیا۔ اس طرح لندن واپسی کا سفر شروع ہوا۔ شام تک رام لعل اپنے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔

اس نے سگار بکس نکال کر دیکھا۔ سانپ بالکل صحیح حالت میں سیاہ چمک دار آنکھوں سے رام لعل کو گھور رہا تھا۔ رام لعل نے شیشے کا ایک ڈھکن دار مرتبان خالی کیا تاکہ صبح استعمال کیا جائے۔ صبح جلدی اٹھ کر اس نے انتہائی احتیاط سے سانپ کو سگار بکس سے مرتبان میں منتقل کیا۔ مضبوطی سے ڈھکن لگایا اور اسے اپنے لٹچ بکس میں حفاظت سے رکھ دیا۔ مقررہ وقت وہ اسٹیشن پہنچا جہاں سے ٹرک سب مزدوروں کو لیے کام کی جگہ جاتا تھا۔ بل کیمرن کی یہ عادت تھی کہ کام شروع کرنے سے پہلے وہ اپنی جیکٹ اتار کر کسی شاخ پہ اتار دیتا تھا۔ کھانے کے وقت میں وہ جیکٹ کی جیب سے اپنا پائپ اور تمباکو کی تھیلی نکال کر پائپ ضرور پیتا۔ رام لعل کا ارادہ تھا کہ وہ موقع پا کر سانپ کو بل کیمرن کی جیکٹ کی جیب میں چھوڑ دے گا۔ پھر وہ جیکٹ کی جیب سے پائپ اور تمباکو نکالے گا۔ اس دوران سانپ بل کیمرن کو ڈس لے گا۔ بل کیمرن گھبرا کر ہاتھ جیب سے نکالے گا، تو سانپ اس کے ہاتھ سے لٹکا ہوگا کیونکہ اس کے دانت گوشت میں گڑے ہوں گے۔ منصوبے کے مطابق رام لعل کسی بہانے ۱۱ بجے کے قریب اٹھا۔

اپنا لٹچ بکس کھول کر سانپ کا مرتبان نکالا، ڈھکن کھول کر بل کیمرن کی جیکٹ کی داہنی جیب میں الٹا اور فوراً واپس آکر کام میں لگ گیا۔ کھانے کے دوران سب لوگ دائرے میں بیٹھ کر سینڈویچ کھانے لگے۔ رام لعل کا دل کھانے میں نہیں لگ رہا تھا، وہ زبردستی سب کے ساتھ بیٹھا۔ کبھی کبھی نظر اٹھا کر فورمین کی جیکٹ کی طرف دیکھتا۔ آخر کار بل کیمرن نے کھانا ختم کیا، اٹھ کر اپنی جیکٹ کی طرف گیا اور داہنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ چند سیکنڈ بعد اس نے پائپ اور تمباکو کی تھیلی نکالی، پائپ بھر کر جلائی اور پینا شروع کر دیا۔ رام لعل مایوسی اور ناامیدی کا شکار تھا کہ اس کی چال نے اپنا کام نہیں دکھایا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر بے یقینی سے جیکٹ کی طرف دیکھا۔ اسے چند سیکنڈ کے لیے جیکٹ کے ایک کنارے پر کوئی چیز چلتی نظر آئی۔ جیکٹ کی جیب میں پائے جانے والے

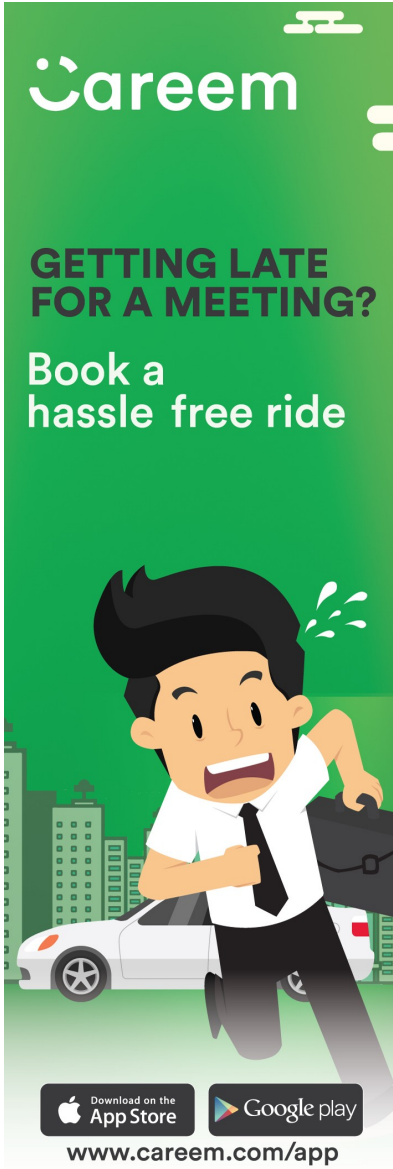
جب وہ اپنے کمرے میں پہنچا تو باہر گرج چمک ہو رہی تھی اور طوفانی بارش کے آثار تھے۔ وہ بستر پر لیٹ گیا اور کوئی ایسی تدبیر سوچنے لگا جس سے انتقام لے سکے۔ تھوڑی دیر بعد بارش شروع ہونے لگی۔ اس کی نظر کھڑکی کے شیشے پر پڑی جہاں بارش کی بوندیں ایک قطار کی شکل میں بہنے لگی تھیں۔ شیشے پر پڑی مٹی کی وجہ سے پانی کی قطار سیدھی کے بجائے لہراتی ہوئی بہنے لگی۔ اچانک رام لعل کی نظر کونے پر پڑی ڈریسنگ گائون کی ڈوری پہ گئی جو ہوا سے نیچے گر گئی تھی۔ گری ڈوری ایسی لگتی تھی کہ پتلا سانپ کندلی مارے بیٹھا ہو۔ رام لعل سمجھ گیا کہ اسے کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔ اگلے روز رام لعل بذریعہ ریل بیلغاسٹ گیا اور اپنے سکھ دوست سے ملا۔ رنجیت سکھ بھی اس کی طرح طالب علم تھا لیکن اس کے والدین دولت مند تھے اور اسے ماہانہ اچھی رقم اخراجات کے لیے بھیجتے۔ رام لعل نے اس سے کہا کہ مجھے گھر سے اطلاع ملی ہے، میرے والد بستر مرگ پر ہیں۔ میں سب سے بڑا بیٹا ہوں۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مجھے واپس ہندوستان جانا ہوگا۔ رنجیت سکھ نے کہا کہ ہاں یہی روایت ہے کہ والد کے انتقال کے وقت بڑا بیٹا اس کے پاس ہو۔ رام لعل نے کہا، ”میرا مسئلہ ہوائی سفر کے ٹکٹ کا ہے۔ میں کام بھی کر رہا ہوں لیکن میرے پاس کافی پیسے نہیں۔ کیا تم مجھے کچھ رقم ادھار دے دو گے؟ میں زلدی کام کر کے تمھاری رقم لوٹا دوں گا۔“ سکھ نے کہا کہ کوئی بات نہیں، میں کل بینک سے رقم نکلا کر تمھیں دے دوں گا۔ اس روز شام کو رام لعل اپنے ٹھیکیدار مسٹر میکونن سے ملا اور اپنے والد کے بارے میں بتایا کہ اس کا آخری وقت قریب ہے۔

میں اس سے ملنے جانا چاہتا ہوں۔ یہ ہمارا مذہبی طریقہ ہے کہ مرنے والے کی آخری رسوم اس کا بڑا بیٹا ادا کرے۔ رام لعل نے یہ بھی کہا ”میں نے ہوائی کرائے کی رقم دوست سے لوہار لی ہے۔ اگر میں کل کی پرواز سے روانہ ہو جاؤں تو اگلے ہفتے واپس آ سکتا ہوں۔“ ٹھیکیدار نرم دل آدمی تھا، اس نے کہا ”ٹھیک ہے! تم جاسکتے ہو۔ اگر تم وعدے کے مطابق واپس پہنچ جاتے ہو تو انہی شرائط پر دوبارہ کام شروع کر دینا۔“ رام لعل نے شکریہ ادا کیا اور واپس آ گیا۔ اگلے روز اس نے اپنے سکھ دوست سے رقم ادھار لی اور بذریعہ ریل لندن پہنچ کر بھارت جانے کے لیے ٹکٹ خرید لیا۔ اس طرح ۲۴ گھنٹوں کے اندر وہ بمبئی پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ ایک دکان پر پہنچا جہاں پالتو پرندے، سانپ اور دیگر جانور فروخت ہوتے تھے۔ اُسے دراصل ایک چھوٹے زہریلے سانپ کی تلاش تھی۔

دکاندار نے بتایا کہ تمھاری خوش قسمتی ہے کہ کل ہی میرے پاس ایک چھوٹا سانپ آیا ہے جو آراکھیر اناگ (Saw Scaled Viper) کہلاتا ہے۔ یہ سانپ مغربی افریقہ سے عرب، ایران، پاکستان اور بھارت کے خشک اور نرم علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی ۱۵-۱۰ سینٹی میٹر تک، رنگ گہرا بھورا

”بگ بلی کی بیوی، بیٹے اور سب نے اس طرف دیکھا۔ ایک چھوٹا سا جاندار فرش پر پڑا چمکیلی آنکھوں سے سب کو دیکھ رہا تھا۔ باریک دو شاخہ زبان لہراتی نظر آ رہی تھی۔

بل کی بیوی بولی ”خدا ہمیں محفوظ رکھے، یہ تو کوئی سانپ ہے۔“ بل کیمرن غصے سے بولا: ”پاگل نہ بنو، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آئرلینڈ میں قدرتی طور پر کوئی سانپ نہیں پایا



Careem

GETTING LATE FOR A MEETING?

Book a hassle free ride

Download on the App Store

Google play

www.careem.com/app

توڑنے کا کام تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ سارا لمحہ ڈھیر کی صورت میں پڑا تھا۔ دو گھنٹے بعد بل کیمرن نے اپنے ماتھے پر ہاتھ بھیرا، اسے کچھ پسینہ آ رہا تھا۔ اس نے کچھ خیال نہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ہتھوڑا ہاتھ سے رکھا اور اپنے ساتھی سے کہا ”میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ میں ذرا دیر سایہ میں آرام کر لیتا ہوں۔“ پھر وہ درخت کے نیچے بیٹھا سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اس کے پورے جسم کو جھٹکا لگا اور وہ پیچھے کی طرف الٹ کر گرا۔

سب سے پہلے برنس نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے پیٹرن کو آواز دی اور کہا: ”بگ بلی بہت بیمار لگ رہا ہے۔ میری بات کا اس نے جواب بھی نہیں دیا۔“ سب مزدوروں نے کام چھوڑ دیا اور اس درخت کے پاس آگئے جہاں بل کیمرن زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن ان میں زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ پیٹرن نے رام لعل کو آواز دی کہ ادھر آؤ اور اسے دیکھو۔ تم طب کے طالب علم ہو، تمہارا کیا خیال ہے؟ رام لعل کو کسی معاہدے کی ضرورت تو نہ تھی لیکن پھر بھی اس نے جھک کر نبض دیکھی اور پیٹرن سے کہا کہ یہ تو مر چکا۔ پیٹرن نے کہا ”سب لوگ یہیں ٹھہریں۔ میں ایبولینس بلاتا اور ٹشکیرار میکون کو بھی مطلع کرتا ہوں۔“

وہ پھر پیدل سڑک کی طرف روانہ ہوا تاکہ بوتھ سے فون کر سکے۔ ایبولینس کے پہنچنے پر بل کیمرن کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ وہاں ڈاکٹروں نے معاہدہ کیا اور بتایا کہ ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی اس شخص کی موت واقع ہو چکی۔ میکون بھی پریشانی کے عالم میں ہسپتال پہنچ گیا۔ پولیس اور عدالتی کارروائی میں چند روز لگے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق بل کیمرن کی موت قدرتی طور پر ہوئی۔ وجہ دماغ میں شدید اخراج خون تھا۔ عیسائی مذہب کے طریقے کے مطابق تدفین ہوئی جس میں اس کے خاندان، میکون اور دیگر ساتھی بھی شریک ہوئے۔ رام لعل نے تدفین میں شرکت نہیں کی بلکہ وہ اس مقام پر جا پہنچا جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ گھاس میں کھڑے ہو کر دل ہی دل میں کچھ کہنے لگا ”اے زہریلے سانپ! کیا تم میری بات سن سکتے ہو۔ تم نے وہ کام کر دکھایا جس کے لیے تمہیں راجستھان کی پہاڑیوں سے یہاں لایا گیا تھا۔ میرا انتقام پورا ہو گیا۔ میرے منصوبے کے مطابق تمہیں کام کرنے کے بعد مر جانا تھا۔ کیا تم میری بات سن رہے ہو؟ ابھی نہیں تو کچھ عرصے بعد تم مر جاؤ گے۔ بغیر مادہ کے تمہاری نسل آگے نہیں چل سکتی کیونکہ آئرلینڈ میں کوئی سانپ نہیں پائے جاتے۔“

جانتا ہر شخص یہ بات جانتا ہے۔“ پھر اس نے بیٹے سے پوچھا: ”بوی، تم تو اسکول میں سائنس پڑھتے ہو، تمہارے خیال میں یہ کیا چیز ہے۔“ لڑکے نے سانپ کی طرف غور سے دیکھا اور کہا: ”یہ یقیناً کچھ ہے جو عموماً جنگل کی گھاس میں پایا جاتا ہے۔“ بگ بلی نے اپنے بیٹے سے کہا: ”یہ جو کچھ بھی ہے، اسے مار کر باہر پھینک دو۔“ بوی اٹھا اور اپنا جوتا نکال کر اس جانور کو مارنے چلا۔ بل کیمرن کے دماغ میں ایک اور خیال آیا۔ اس نے کہا: ”ذرا رک جاؤ اور مجھے ایک ڈھکن والا مرتبان دو۔“ مرتبان آیا تو بلی اٹھا اور بہت احتیاط اور پھرتی سے سانپ کو مرتبان میں منتقل کر دیا۔

سانپ بھی آئرلینڈ کے سرد موسم سے کچھ ست ہو گیا تھا۔ بلی کے بیٹے نے پوچھا: ”ابو آپ اس کا کیا کریں گے؟“ بلی نے کہا: ”ہمارے گروہ میں ایک کالا بھارت سے آیا ہے، وہاں بہت سانپ ہوتے ہیں۔ میں ذرا اس کے ساتھ مذاق کروں گا۔ وہ تو شاید خوف کے مارے مر ہی جائے گا۔“ اس نے جیکٹ پہنی، کھانا لیا اور بیگ میں پھر سانپ والے مرتبان کے ساتھ رکھ دیا۔ پھر وہ اسٹیشن روانہ ہو گیا۔ وہاں سب لوگ مع رام لعل موجود تھے۔ ٹرک میں سوار ہو کر یہ پارٹی کام والی جگہ پر روانہ ہو گئی۔ وہاں کام شروع ہونے سے پہلے چائے کے دوران بل کیمرن نے چپکے چپکے دیگر لوگوں کو بھی بتا دیا کہ وہ اس کالے کے ساتھ کیا مذاق کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھیوں نے سوچا کہ یہ ایک بے ضرر کیزا ہے، رام لعل کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لہذا ایسے مذاق میں کوئی حرج نہیں۔ کھانے کے وقفے میں سب لوگ حسب معمول دائرے کی شکل میں بیٹھے۔ رام لعل نے کچھ خیال نہ کیا لیکن باقی لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ اس نے اپنا لٹچ باکس گھنٹوں پر رکھا اور اسے کھولا۔ سینڈویچ اور سب کے بچے چھوٹا سانپ کڈلی مارے بیٹھا تھا۔ رام لعل کی زبردست چیخ سے علاقہ گونج اٹھا اور ساتھ ہی سب مزدور بے ساختہ زور دار قہقہے لگانے لگے۔ رام لعل نے گھبرا کر اپنا لٹچ باکس زور سے ہوا میں اچھال دیا۔ سانپ اور سینڈویچ تمام چیزیں چاروں طرف گھاس میں گر پڑیں۔ رام لعل چیختے ہوئے کھڑا ہو گیا اور بولا ”یہ سانپ بہت زہریلا اور خطرناک ہے۔“ سب لوگ پھر سے ہنسنے لگے۔ رام لعل نے ان سے کہا: ”یقین کرو، یہ انتہائی زہریلا سانپ ہے۔“ بل کیمرن کی آنکھوں میں ہنسنے ہنسنے آنسو آگئے۔

وہ رام لعل سے کہنے لگا: ”کالے آدمی، تم تو بہت ہی بے وقوف ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ آئرلینڈ میں کوئی سانپ نہیں پایا جاتا۔“ بگ بلی ہنسنے کچھ تھک گیا تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ گھاس پر لیٹ گیا کہ چند منٹ آرام کر لے۔ تب اسے معمولی چپن کا بھی احساس نہیں ہوا۔ اس کی داہنی کلائی پر سوئی کی نوک کے برابر دو انتہائی باریک سوراخ ہو چکے تھے۔ کھانا ختم ہو چکا تھا۔ سب لوگ کام کے لیے اٹھ گئے۔ عمارت

پر لطف ترین شخص

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق



چارلی چپلن ایک لیجنڈ آرٹس تھا اس نے بہت کم عرصے میں اپنی سوچ اور صلاحیتوں کے بل بوتے پر بہت کچھ پروڈیوس کرنے کے بعد دکھا دیا کہ دنیا میں ہر طرح کے انسان بستے ہیں اس کی کامیابی فلمیں صرف انٹرنیشنل ہی نہیں بلکہ سبق آموز بھی تھیں اسکی نقالی آج بھی دنیا بھر میں کی جاتی ہے۔ تھیٹر، سٹیج شو، سنیما اور ٹیلی ویژن نے نیا ٹریڈ لا کر دنیا کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے لیکن ساتھ ساتھ آج بھی کئی لوگ ان چیزوں سے شدید نفرت کرتے اور آرٹسٹوں کو میراثی اور کنجر وغیرہ کہتے ہیں حالانکہ آرٹسٹ وہ کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتے ہوں انسان ہونے کے ساتھ اپنے اندر جذبات اور احساسات کا سمندر رکھتے ہیں اور آرٹسٹ سے نفرت کرنا انسانیت سے نفرت کرنے کے مترادف ہے۔ کئی برسوں تک سنیما میں اگرچہ ہر دور میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ نیا دکھایا جاتا اور شائقین محفوظ ہوتے لیکن ٹی وی آنے کے بعد انسانوں کی سوچ یکسر بدل گئی کیونکہ چھوٹی سکرین پر ایڈورٹائزنگ کی بدولت دنیا کی ہر اچھی اور بری شے نشر کی جانے لگی ایک طرف اگر معلومات کا خزانہ ہو تیس تو دوسری طرف کئی انسانوں کے لئے منفی بھی ثابت ہو تیں، ساٹھ اور ستر کی دہائی میں ٹی وی پر ہر نئی شے کو دیکھ کر ہر ایک کی زبان پر یہ ہوتا کہ دنیا کتنی ترقی کر گئی ہے، سائنس کتنی ترقی کر گئی ہے وغیرہ۔ مستقبل قریب یعنی دو چار پچیس تک سائنسی دنیا میں نیا انقلاب آجائے گا آنے والے سات اٹھ برسوں کے

اندہ ہم کئی پرانی اشیاء سے محروم ہو جائیں گے اور یہ اشیاء ماضی کا حصہ کہلاتے ہوئے ایکٹک شاد کی جاکیں گی جیسے کہ آج کل ٹرانزسٹر یا ٹیپ ریکارڈر وغیرہ کا کہیں نام و نشان نہیں ہے آج کی جزیئن نہیں جانتی کہ کیسٹ ریکارڈر کیا ہوتا ہے۔ ہائی ٹیک یعنی ہائی ٹیکنالوجی دنیا بھر میں سپیڈ پکڑ چکی ہے اور ہر انسان کی ضرورت بھی بن گئی ہے کیونکہ جتنی تیزی سے سائنس ترقی کر رہی ہے انسان کیلئے سہولت پیدا ہو رہی ہے اتنی تیز رفتاری سے انسان ست اور کما ہوتا جا رہا ہے۔ لیکویڈ کرسٹل ڈسپلے جنہیں ایل سی ڈی ٹیلی ویژن کہا جاتا ہے حیرت انگیز طور پر اپنی مخصوص بناوٹ سے دنیا بھر میں مقام حاصل کر چکے ہیں اور موٹی ٹوند والے ٹی وی کو کچرے کے ڈبے یعنی ری سائیکلنگ کمپنیز کو واپس کر دیا گیا ہے آج ماضی کا حصہ بن چکے ہیں کیونکہ ایل سی ڈی ٹی وی بہت پتلے یعنی سمارٹ ہونے کے ساتھ بہت کم جگہ لیتے اور آج کل بہت ارزاں قیمت پر دستیاب ہیں اسکے باوجود گزشتہ برس ایل جی کمپنی نے مستقبل کیلئے ایک نیا ٹی وی متعارف کروایا ہے جسے اور گائیک لائٹ ایمپٹنگ ڈاؤنڈ یعنی او ایل ای ڈی کانام دیا یہ نیا ٹی وی اپنی منفرد لائنس سے فنکشن کرے گا جس سے انرجی کی بچت ہوگی اور آج کل کے فور کے ٹی وی سے زیادہ صاف و شفاف تصویر پیش کرے گا علاوہ ازیں یہ حیرت انگیز ٹی وی کاغذ کی طرف باریک ہونے کیساتھ رول اور فولڈ کیا جاسکے گا کمپنی کے ترجمان کا کہنا ہے اس ڈیویو سیریز یعنی وال پیپرز کی موٹائی اندازاً دو سے تین ملی میٹر ہوگی مقناطیسی سسٹم سے دیوار میں ایڈجسٹ کیا جاسکے گا عام استعمال کے لئے اس سال کے آخر میں مارکیٹ میں دستیاب ہو گا۔ لیڈ لیپ۔ عام بلب یا انرجی سیور لیپس بہت جلد مارکیٹ سے ہٹا دئے جائیں گے انکی جگہ پر کرنے کیلئے اولیڈ لیپ دستیاب ہونگے ان نئے لیپ کا موازنہ ایل جی کے ٹی وی سسٹم سے کیا جاسکتا ہے معروف کمپنیز فلیس اور اوسرام بہت جلد یہ لیپ متعارف کروائیں گی۔ سٹورج میڈیا۔ آج کل سی ڈیز، ڈی وی ڈیز ڈسک کے علاوہ یو ایس بی سٹکس پر تمام ڈیٹا منتقل کرنے کے بعد سٹورج کیا جاتا ہے جبکہ آنے والے برسوں میں یہ سب کچھ غائب ہو جائے گا اور اسکی جگہ بوکس، ایمیزون اور گوگل کمپنیز ایک نیا سٹورج میڈیا متعارف کروائیں گے جس میں وائی فائی سسٹم کے تحت آن لائن ڈیٹا سٹور کیا جاسکے گا۔ گیم کونزولز۔ گیمز کھیلنے والے یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کونزولز یا دیگر کونزولز کے بغیر اپنی من پسند گیم ایکس بوکس یا پلے سٹیشن پر کھیل سکیں لیکن مستقبل قریب میں این وائی ڈیٹا کمپنی کونزولز فری کلاؤڈ گیم سسٹم متعارف کروائے گی جس سے گیمز کھیلی جائیں گی یہ کمپنی جی فورس ناؤ گیم سٹریمنگ سروس کے ذریعے گیم کھیلنے والوں کیلئے سہولت پیدا کرے گی علاوہ ازیں اپ لوڈ اور ڈاؤن لوڈ سسٹم کو بھی ریویٹ سرور کے ذریعے ہائی ٹیک طریقے سے استعمال کیا جاسکے گا۔ کیبل چارجز۔ سینگ کمپنی نے حال ہی میں کیبل فری چارجز متعارف کروایا ہے ایک مخصوص پیڈ کے ذریعے سمارٹ فونز، لیپ ٹاپ اور دیگر ایکٹروئک انسٹرومنٹس چارج کئے جاسکیں گے، پلگ یا ایڈاپٹر کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی، اپیل کمپنی نے بھی کیبل فری ایک نئی ٹیکنالوجی متعارف کروائی ہے جس سے تمام آلات کیبل کے بغیر چارج کئے جائیں گے۔ ریویٹ کونزولز۔ پروگرامنگ اور دیگر فنکشن کے لئے ریویٹ کونزول کی بجائے وائس سسٹم سے تمام آلات فنکشن کریں گے اس سسٹم کیلئے سینسور استعمال کیا جائے گا مثلاً ایکس بوکس یا پلے سٹیشن کو ٹی وی کے وائیم سے منسلک کرنے کے بعد وائس کونزول سے استعمال کیا جاسکے گا۔ پلاسٹک کارڈز اور پاس ورڈز سسٹم بھی بہت جلد ختم کرنے کے بعد تمام ڈیٹا سمارٹ فونز پر منتقل کرنے سے ہر قسم کی شاپنگ کی جاسکے گی بائیو میٹرک سینسر اور ہائی ٹیک الفا بلیک سسٹم کے علاوہ فنکر پرٹنس اور چہرے کی شناخت سے تمام عوامل باآسانی طے پائیں گے۔ انسان ایک طرف کہتا ہے کہ سائنس ترقی کر رہی ہے ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور دوسری طرف سائنسدانوں کو برا بھلا بھی کہا جاتا ہے۔ چارلی چپلن آج زندہ ہوتا تو بہترین ایکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم سائنسدان بھی ہوتا جو ہنستے ہنساتے بہت کچھ دریافت کرتا اور لوگ اس کی تعریف بھی کرتے۔

ترقی

مصنف: علی احمد

ایک گاؤں میں جھرو اور منگو نام کے دو دوست رہتے تھے۔ دونوں بہت غریب، جاہل اور سیدھے سادھے تھے۔ دونوں میں بڑی گہری دوستی تھی دونوں اپنے اپنے خاندان کے ساتھ آپس میں مل جل کر رہتے تھے۔ دونوں فرصت کے وقت مندر کی صاف صفائی بھی کر لیا کرتے اور پیٹھ کر بھیجن کیرتن کرتے تھے۔ یہی ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ دونوں اپنی غریبی کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھے۔ ایک دن مندر میں دونوں کی ملاقات ایک پنڈت جی سے ہوئی دونوں نے ان سے اپنی پریشانیاں بتائیں۔ دونوں کی باتیں سن کر پنڈت جی مسکرائے اور کہا: ”تم اس ترقی یافتہ دور میں اپنی بے وقوفی کی وجہ سے بے روزگار ہو۔“ وہ دونوں پنڈت جی کی باتیں چپ چاپ سنتے رہے۔ پنڈت نے ان کی حالت بھانپ کر دونوں سے کہا: ”تم دونوں شہر جاکر اپنے لیے روزگار ڈھونڈ سکتے ہو یہاں پڑے پڑے تمہیں کچھ نہیں ملے والا۔ بغیر محنت و مشقت کے دینے والا کچھ بھی نہیں دیتا۔“ ان دونوں کو پنڈت کی بات سمجھ میں آئی۔

جب کمائی بڑھنے لگی تو جھرو کی بیوی جمیلی کے دل میں لالچ پیدا ہوا اور وہ کمائی کے پیسوں میں سے کچھ پیسے الگ نکال کر اپنے اور اپنے بچوں کا شوق پورا کرنے لگی اور منگو کی بیوی بیلا اور اس کے بچوں سے بھید بھاد کرنے لگی۔ بیلا اس کی ان حرکتوں کو سمجھ گئی، جمیلی فضول خرچ اور لالچی تھی وہ چالاکی سے اپنے داؤ پیچ چلاتی جب کہ بیلا سمجھ دار اور اچھی عادتوں کی مالک تھی۔ ایک دن بیلا نے جمیلی سے کہا کہ کیوں نہ ہم دونوں اپنا کام الگ الگ کریں اور اپنی اپنی کمائی بھی اپنے پاس رکھیں جمیلی کو یہ بات پسند آئی اور وہ مان گئی۔

کچھ دنوں بعد جھرو اور منگو بھی اپنے اپنے خاندانوں کے ساتھ الگ الگ رہنے لگے۔ جمیلی کی لالچی طبیعت اور فضول خرچی کی خراب عادتوں کی وجہ سے جھرو اور اس کے خاندان کے لوگ پریشان رہنے لگے۔ جب کہ بیلا کی سمجھ داری اور کفایت شعاری سے منگو ترقی کرنے لگا۔ بیلا تھی تو سمجھ دار لیکن پڑھی لکھی نہیں تھی اس نے پڑھنا لکھنا سیکھا اور منگو کو بھی سمجھایا کہ علم سیکھنے کی کوئی عمر نہیں ہوتی، جب جاگے تب سویرا، منگو نے بھی پڑھنا سیکھ لیا اور ترقی کرتے ہوئے اپنے بچوں کو اعلا تعلیم دلوائی آج منگو اور بیلا کے بچے ڈاکٹر اور انجینئر بن گئے ہیں، جب کہ جھرو اور جمیلی اپنی خود کی حرکتوں سے گاؤں سے بھی نچلے درجے کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔ ہوا یوں کہ اس دوران جمیلی بھی مر گئی۔

یہ بات منگو کو پسند نہ آئی کہ اُس کا دوست جھرو اس طرح پریشان رہے اُس نے بڑھ کر اپنے دوست کی مدد کی اور اُس کے بچوں کی تعلیم کے لیے اچھا انتظام کیا اور نائٹ اسکول میں ان کا داخلہ کرا دیا۔ دھیرے دھیرے ایک دوست کی مدد سے دوسرا دوست بھی ترقی کرنے لگا۔ اب جھرو کے بچے بھی ٹیچر بن کر محنت سے پڑھانے کا کام کر رہے ہیں۔ سچ ہے کہ فضول خرچی سے ہمیشہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے جب کہ کفایت شعاری سے ترقی ہوتی ہے۔

§§§



یہ دونوں کبھی بھی گاؤں سے باہر نہیں گئے تھے۔ اس لیے شہر جانے سے ڈرتے تھے۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ اب کی بار گاؤں کی جاترا میں جب شہر کے لوگ آئیں گے تو ہم دونوں ان کے ساتھ شہر چلے جائیں گے۔

جھرو اور منگو شہر آ گئے۔ شہر کی چکا چوندھ سے وہ بھونچکے رہے گئے۔ کام کی تلاش میں دونوں کئی دنوں تک بھٹکتے رہے وہ جہاں بھی کام کی تلاش میں جاتے تو لوگ ان کے بارے میں پوچھتے اور کیا کام کر سکتے ہو یہ پوچھتے۔ وہ دونوں شہر کے لوگوں کے سامنے کچھ ڈھنگ سے بول بھی نہیں پاتے تھے۔ اور لوگ انہیں دھتکار کر اپنے پاس سے بھگا دیتے۔

ایک دن ہمت کر کے کام ڈھونڈنے نکلے تو اناج کے گودام میں کام مل گیا۔ کام تھاناج کی بوریاں ڈھونا، جھرو اور منگو سختی تو تھے ہی، اپنی محنت اور لگن سے کام کرنے لگے اب دھیرے دھیرے ان کی تکلیفیں دور ہونے لگیں۔ جھرو اور منگو اپنی کمائی کے پیسے اکٹھے ہی رکھتے اور تھوڑی بہت بچت بھی کرتے۔ دن گزرتے گئے اب ان کے رہنے کا مسئلہ بھی دور ہو گیا، انھوں نے کرایہ پر ایک کمرہ لے لیا اور گاؤں جاکر اپنے اپنے خاندان کو شہر لے آئے دونوں کی بیویاں جمیلی اور بیلا بھی کام کرنے لگیں اور اپنی کمائی ساتھ ہی رکھنے لگیں اُن دونوں کے بچے پڑھنے کے لیے اسکول بھی جانے لگے۔

Careem

GETTING LATE FOR A MEETING?

Book a hassle free ride



Download on the
App Store

Google play

www.careem.com/app



Diving.

nutella

QMobile

NOIR
QUADCORE **Z4**

I am
Kareena Kapoor and...
INOIR



1.5 GHz Quadcore
Turbo Processor

4.2 Jelly Bean

5" HD Display

Wireless Display

Camera 13 MP
Flash 5 MP

Motion Sensing

2GB & 32GB
RAM Built-in memory

**Rs.
35,000**

www.qmobile.com.pk

No.1 Selling Smartphone Brand in Pakistan

جنگلات کی معاشی ، ماحولیاتی

اہمیت!

مصنف: سفیان خان

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا کردہ عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت جنگلات بھی ہیں۔ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے بنائی عالیشان جنتوں میں باغات اور نباتات کا خصوصی ذکر ملتا ہے۔ لمبے اور گھنے سائے والے درخت، ان کے سائے اور ان سے پیدا ہونے پھل اور میوے کو اللہ نے جنت کی اعلیٰ ترین نعمتوں میں بیان کیا ہے۔

Image result for jungle

پاکستان سمیت دنیا بھر میں ہر سال 21 مارچ کو جنگلات کا عالمی دن منایا جاتا ہے، جنگلات کی معاشی ، ماحولیاتی اور زرعی اہمیت کا تعین کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی اسمبلی میں جنگلات کا عالمی دن منانے کی قرارداد پیش کی گئی اس دن کے منانے کا مقصد جنگلات کو ترقی دینا۔ جنگلات اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد سے معاشرے میں شعور اجاگر کرنا ہے۔ جنگلات کے کٹاؤ سے ہونے والے نقصان کی آگاہی دینا۔

گزشتہ چند سال میں جنگلات کا رقبہ ساٹھ فیصد سے کم ہو کر تیس فیصد رہ گیا ہے۔ جنگلات کی روز بروز کمی کے باعث اوزون کی تہہ باریک ہوتی جا رہی ہے اور زمین کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس لئے جنگلات کے تحفظ کے لئے تحریکیں چلائی جا رہی ہیں۔ جنگلات نہ صرف انسانوں بلکہ چرند پرند اور جانوروں کی بقاء کے لئے اہمیت رکھتے ہیں۔ ملک کی متوازن معیشت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے میں فیصد رقبے پر جنگلات ہوں۔ لیکن سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کے کل رقبے کا صرف لگ بھگ پانچ فیصد جنگلات پر مشتمل ہے۔ جبکہ غیر سرکاری حلقوں کے مطابق پاکستان کے پاس صرف تین فیصد جنگلات باقی ہیں۔ ان میں سے بھی ہر سال قریباً آٹالیس ہزار ہیکٹر جنگل غائب ہو رہا ہے۔ اس میں آگ، کیڑے مکوڑوں اور نباتاتی بیماریوں کا قصور صرف چھ فیصد ہے۔ بقیہ 94 فیصد جنگل کی صفائی کے ذمہ دار کمرشل اور نان کمرشل، قانونی

و غیر قانونی انسانی ہاتھ ہیں۔ اگرچہ حکومت اپنے اعداد و شمار کے ذریعے یہ ثابت کرنے پر مصر ہے کہ گزشتہ دس برسوں میں جنگلات پر مبنی کل رقبہ چار اعشاریہ آٹھ سے بڑھ کر پانچ اعشاریہ صفر ایک فیصد ہو گیا ہے۔

پاکستان میں دیگر مسائل کے علاوہ جنگلات کی کمی بھی ایک مسئلہ ہے۔ جنگلات کی کمی ہونے کی وجہ سے روز بروز آلودگی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تو دوسری طرف ٹمبر مافیا بھی اپنا کردار نبھانے میں سرگرم ہیں۔ جنگلات میں کمی کرنے میں ٹمبر مافیا خاطر خواہ کردار ادا کر رہے ہیں۔ جنگلات کی قیمتی لکڑی کو مفت اور چوری کاٹ کر بازاروں میں جا بیچتے ہیں۔ ٹمبر مافیا کی ان حرکات کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

لہذا اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ٹمبر مافیا کو روکنے کیلئے حکومت سخت قانون بنائے (قانون تو موجود ہیں ان کا نفاذ یقینی بنائے) جنگلات کسی بھی ملک کی معیشت کا لازمی جز ہیں۔ ملک کی متوازن معیشت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے فیصد رقبے پر جنگلات ہوں۔ جنگلات قدرتی وسائل کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ پاکستان میں جنگلات کا کل رقبہ 42,240 کلومیٹر ہے جو کہ 05.31% بنتا ہے پاکستان میں جنگلات کا رقبہ اس لئے بھی کم ہو رہا ہے کہ یہاں پر جنگلات کو بے رحمانہ طریقے سے کاٹا جا رہا ہے۔ مکانات کی تعمیر کے لئے جنگلات کی زمین کو استعمال کی جا رہا ہے اور پھر ہر سال دریا بھی کٹاؤ کا کام کر رہے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جنگلات کے اگانے کے لئے مزید زمین مختص کی جائے اور درختوں کی غیر ضروری کٹائی کو بند کیا جائے۔

جنگلات ملک کے اہم وسائل میں سے ایک ہیں اور یہ اس ملک کی عمارتی لکڑی اور جڑی بوٹیوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ جنگلات زمین کی زرخیزی قائم رکھنے میں مدد کرتے ہیں۔ جنگلات درجہ حرارت کو اعتدال پر رکھتے ہیں اور اطراف کے موسم کو خاص طور پر خوشگوار بناتے ہیں۔ جنگلات سے حاصل شدہ جڑی بوٹیاں ادویات میں استعمال ہوتی ہیں۔ جنگلات جنگلی حیات کا ذریعہ اور سبب ہیں۔ بے شمار جنگلی جانور یعنی شیر، چیتا، اور ہرن وغیرہ جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔ جنگلات جلانے جانے والی لکڑی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ جنگلات زمین کے حسن و دلفریبی میں اضافہ کرتے ہیں۔ جنگلات بہت سے وسائل کا ذریعہ اور ماخذ ہیں۔ مثلاً جنگلات سے حاصل کردہ لکڑی فرنیچر، کاغذ، پاجس اور کھیلوں کا سامان تیار کرنے میں استعمال ہوتی ہیں۔ جنگلات پہاڑوں پر جمی ہوئی برف کو تیزی سے گھٹنے سے روکتے ہیں اور زمین کے کٹاؤ پر بھی قابو رکھتے ہیں۔

جنگلات انسانوں اور قدرتی نباتات کو تیز رفتار آندھیوں اور طوفان کی تباہی اور بربادی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ جنگلات فضاء میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار کو بڑھنے نہیں دیتے کیوں

کہ انہیں خود اس گیس کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ آکسیجن خارج کرتے ہیں جو انسانی زندگی کے لئے لازمی ہے۔ بھیڑ، بکری، اونٹ جیسے حیوانات اور سینکڑوں جنگلی جانور اپنی غذا ان ہی جنگلات سے حاصل کرتے ہیں۔



جنگلات تفریحی مقامات کے کام آتے ہیں اور لوگ ان کے خوبصورت ، حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جنگلات مختلف اقسام کے جانوروں اور پرندوں کی افزائش اور نشوونما کا ذریعہ بنتے ہیں انسان آج انہی درختوں کا سب سے بڑا دشمن بن چکا ہے ، جی ہاں، وہی درخت اپنے قاتل اسی انسان کی بے شمار ضروریات پورا کرتے ہیں۔ اگر ان نباتات کو زمین سے خارج کیا جائے و انسانی زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں۔ یہی درخت جہاں ماحول کو خوبصورت بناتے ہیں، وہیں ہوا کو صاف رکھنے ، آندھی اور طوفانوں کا زور کم کرنے ، آبی کٹاؤ روکنے ، آکسیجن میں اضافے اور آب و ہوا کا توازن برقرار رکھنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ماحولیاتی آلودگی موجودہ دور کا ایک گھمبیر مسئلہ ہے تو درخت ہی اس پیچیدہ مسئلے کا ایک اچھا اور آسان ترین حل ہیں۔



اب ہمارے جنگلات صرف بمشکل تک 4 فیصد رہ گئے ہیں۔ اس کا خوفناک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہمارے ملک میں اب وہ سلسلہ وار بارشیں بہت حد تک ختم ہو کر رہ گئی ہیں، جن پر ہماری زراعت کا سب سے زیادہ انحصار تھا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بھارت نے دریائے راوی کا پانی مکمل بند کر دیا تو علاقہ بنجر ہو گیا۔

حکومت کو بھارتی آبی دہشت گردی کے سدباب کے ساتھ ساتھ پاکستان بھر میں ان مٹنے جنگلات کو بچانے کی فوری تدبیر کرنی چاہیے۔ پاکستانی قانون میں اگرچہ کاغذات کی حد تک جنگلات کے کٹاؤ کے خلاف پابندی بھی عائد ہے

، لیکن اس کی کسی کو پروا نہیں۔ اصل میں جنگلات کے کٹاؤ، اور ان درختوں کے جو نہروں، دریاؤں، سڑکوں کے کنارے لگائے جاتے تھے، وہ افراہ ہی ملوث ہیں، جو ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، پاکستان کے جنگلات اور ملک کے باقی درختوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ وزیر اعظم جناب نواز شریف کے ساتھ چاروں وزرائے اعلیٰ سے عالمی یوم جنگلات کے موقع پر گزارش ہے کہ اس مسئلے کی بھی فوری نوٹس لیں۔ شجر کاری کی زیادہ سے زیادہ مہم چلائیں اس سلسلے میں عوام کو بھی بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے۔

§§§

چائے کی روایت کی ٹھوس شکل

گھر داری کارنگ ، خاطر داری کی خوشیو یا رشتے داری کا مزا ، چائے کی روایت سے ہی تو بے سب کچھ مچتا ،
اور اب اسی روایت کو ٹپال دانے دار نے دی ہے ایک ٹھوس شکل ،
پیش ہے ٹپال دانے دار کا پارڈ پکیک ۔ نہ قیمت زیادہ ، نہ مقدار میں کمی اور معیار بھی وہی ۔
کیونکہ چائے کی روایت کو ٹپال دانے دار سے بہتر کوئی نہیں جانتا ۔



اگر معاشرے کے مثبت پہلوؤں پہ روشنی ڈالتے ہوئے کئی روشن مثالوں کو بیان کریں تو اسی معاشرے کا حصہ ہوتے ہوئے جدوجہد آزادی میں سرگرم رہنے والی خاتون ”فاطمہ جناح مارو ملت“ کہلائیں۔ معاشرے کی فلاح اور رہنمائی کا بیڑا سر پر اٹھائے ہوئے دن رات مصروف عمل رہنے والی بلقیس ایدھی ایک منفرد اور اعلیٰ سوچ رکھنے والے عظیم انسان کی بیوی ہے۔



ادنیٰ دنیا میں ایک اعلیٰ مقام رکھنے والی عظیم ادیبہ بانو قدسیہ کو بھی اشتیاق احمد جیسے ایک اعلیٰ پایے کے محقق اور مدبر انسان کی معاونت حاصل رہی۔ افواج پاکستان میں بھرتی ہونے والی خواتین جو اپنی زندگی داؤ پہ لگا کر فرض کی تکمیل کے لیے ہر روز ڈیوٹی پہ موجود ہوتی ہیں۔ انہی میں سے ایک فلائنگ آفیسر مریم مختیار اس وطن عزیز کیلئے جان کا نذرانہ پیش کرنے والی باہمت بیٹی کا جنم بھی تو اسی معاشرے میں ہوا تھا۔ اناک اور نیوکلیر فزکس میں مہارت رکھنے والی اس قوم کی غیور ”بیٹی“ ڈاکٹر عافیہ صدیقی، بھی تو کسی باپ کی بیٹی، کسی شوہر کی بیوی اور کسی بیٹے کی ماں ہے۔ کسی تہذیب میں تو مرد عورت کی تعلیم میں روکاوٹ بنا تو کسی جگہ اسی کی سپورٹ کرنے میں سر فہرست رہا۔ عورت اس معاشرے کا نہایت اہم جزو ہے۔ جس کے بغیر نہ نسلیں چل سکتی ہیں نا قومیں بن سکتی ہیں۔

عورت کے وجود سے ہی زندگی ہے سوال یہ ہے کہ ”عورت آخر چاہتی کیا ہے؟“ عورت عزت چاہتی ہے تحفظ چاہتی ہے۔ عورت تعلیم حاصل کر کے زندگی کی دوڑ میں مرد کے ساتھ چلنا چاہتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عورت کا حقیقی مقام سمجھتے ہوئے جو ایک ماں بھی ہے اور ایک بیٹی بھی وہ بیوی ہے اور بہن بھی و معاشرے کی ترقی میں عورت کے کردار کو سمجھا جائے۔ تعلیم عورت کا بنیادی حق ہے۔ پڑھی لکھی ماں ہی پڑھے لکھے معاشرے کو جنم دے سکتی ہے۔ عورت کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کر کے معاشرے اور آنے والی نسلوں کے مستقبل کو روشن بنایا جا سکتا ہے اور ملک کی ترقی اور خوشحالی کا ایک نیا دور شروع ہو سکتا ہے۔

§§§

خواتین کا عالمی دن

مصنف: علی احمد

مارچ کی 8 تاریخ خواتین کے عالمی دن کے طور پر منائی جاتی ہے ایک طرف اللہ تعالیٰ نے جنت ماں کے قدموں میں رکھ دی ہے تو دوسری طرف آج بھی ہمارے معاشرے میں عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا ہے عورت کے حقوق پہ بحث کوئی نئی بات نہیں کئی صدیوں سے عورت اپنے حقوق کے حصول کے لیے جد مسلسل میں ہے۔ وہی حقوق جن کی ادائیگی آج سے 14 سو سال پہلے اسلام کر چکا۔ اسلام جس نے عورت کو عزت و مقام دید۔ ورنہ اسلام کے آغاز سے پہلے عرب میں عورت کو زندہ گاڑ دیا جاتا تھا۔ لڑکی کی پیدائش ایک خست سمجھی جاتی تھی۔ عورت کو فساد کی جز سمجھا جاتا تھا۔ ہندو معاشرہ جو آج بھی عورت کو مکمل حقوق دینے سے قاصر ہے۔

شوہر کے مرنے کے بعد عورت دوبارہ سے نامل زندگی گزارنے کا حق نہیں رکھتی۔ عورت کو ”سنتی“ جیسی بے بنیاد اور غیر انسانی رسم کے مطابق زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ مغربی معاشرے کی عورت جو کبھی Feminism کی قائل تھی اب اُس معاشرتی آزادی سے تنگ آتی دکھائی دے رہی ہے۔ فرانس جیسے ترقی یافتہ ملک میں عورت کو ووٹ ڈالنے کی آزادی نہیں تھی کچھ سال قبل عورت کو ووٹ ڈالنے کا حق حاصل ہوا۔ عورت جو مغربی معاشرے میں مرد کے شانہ بشانہ معاشی ریس میں چلتی چلتی اب تھک چکی ہے۔ اس معاشرے میں جہاں عورت کو مرد کے برابر کام کرنا پڑتا ہے۔

جہاں زندگی کی ساری سہولیات کے حصول کے لیے انسان دن رات کام تو کرتا ہے مگر پیسے اور کام کی اس دوڑ میں کہیں رشتے اور خاندان بہت دور جا چکے ہیں۔ مشرقی معاشرہ جو ایک طرف تو غیرت کے نام پر بہن و بیوی اور بیٹی کا قتل جائز سمجھتا ہے۔ دوسری طرف اسی معاشرے میں کسی کی بھی بیوی، بہن اور بیٹی سڑک و بس سٹاپ اور گلی بازاروں میں چلتی پھرتی خود کو غیر محفوظ سمجھتی ہے۔ اس کم پڑھے لکھے اور غیر ترقی یافتہ معاشرے میں اگر کوئی لڑکی بس کے انتظار میں ”بس سٹاپ“ پہ کھڑی ہو تو ہر عمر کا مرد اُسے لفٹ دینے کیلئے تیار کھڑا ہوتا ہے۔ ایسا معاشرہ جہاں کسی مرد کو اپنی غیرت اور عزت تو محفوظ چاہیے مگر کسی دوسرے کی عزت انہی سڑکوں پہ زسوا کی جاتی ہے۔ آج ایک سو صدی کے اس نام نہاد مذہب معاشرے میں عورت کی تعلیم اس کے حقوق اور آزادی پہ بات کرنے والوں نے کیا صحیح معنوں میں عورت کو عزت دینے کی کوشش کی؟ عورت کی تعلیم جس کی بات آج مغربی معاشرہ کرتا ہے اس کے بارے میں احکام تو اسلام چودہ سو سال قبل دے چکا ہے۔

نبی کریمؐ کے ارشاد کے مطابق ”علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے“ ایسا پریکٹیکل مذہب جو صدیوں پہلے ہی عورت کے حقوق متعین کر چکا جو عورت کو تعلیم کا حق دے چکا۔ اسی مذہب کے پیروکار عورت کو عزت دینے میں اتنے بخیل کیوں؟ اسی پاکستان میں جو بنا ہی اسلام کے نام پر تھا آج بھی اس معاشرے میں جسمانی اور ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے کہیں اسے درخت میں جھسے سے محروم رکھا جاتا ہے تو کہیں غیرت کے نام پہ اس کا خون بہایا جاتا ہے۔ دنیا میں ہر چیز کے کچھ منفی اور کچھ مثبت پہلو ہوا کرتے ہیں۔ مرد چاہے مغربی معاشرے کا ہو یا مشرقی معاشرے کا اگر اس کی سوچ مثبت اور تعمیری ہو۔

اگر وہ اخلاقیات کے اعلیٰ درجہ پہ ہو تو وہ عورت کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ یہ اُس کی تربیت ہے جو اسے عورت کی عزت کرنا سکھاتی ہے۔ اور مرد کی تربیت ماں کی گود سے شروع ہو کر خاندان کے ماحول سے ہوتی ہوئی معاشرے کے طور طریقوں پہ ختم ہوتی ہے۔ مثبت سوچ کے مالک لوگ نہ صرف عورت کو عزت دیتے ہیں بلکہ انہیں خاندان اور معاشرے کا نہایت اہم رکن کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں وہ اپنی ماں، بیوی اور بہن اور بیٹی ان سارے حوالوں سے عورت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

کاروباری راز

مصنف: سفیان خان

اس دوکان سے مجھے میڈیسن خریدتے تیسرا روز تھا، اور میں میڈیکل سٹور والے کی خوش اخلاقی سے کافی متاثر بھی تھا، اسی وجہ سے میں بار بار اسی دوکان والے کے پاس جا رہا تھا۔ ہسپتال میں موجود مریض جس کیلئے ادویات خریدی جا رہی تھیں اب تقریباً صحتیاب ہو رہا تھا۔



ڈاکٹرز نے جو ادویات لکھ کر دی تھیں، ان میں سے کچھ ادویات بچ گئیں تھیں جو کہ فل پیکیڈ اور قابل استعمال تھیں۔ میں نے سوچا یہ ادویات واپس کر دی جائیں۔ جب میں اس ارادے سے میڈیکل سٹور والے کے پاس پہنچا اور اسے ادویات کی واپسی کا بولا تو پہلے تو اس نے میری طرف عجیب نظروں سے دیکھا پھر ایسے رد عمل کا اظہار کیا جیسے میں نے اسے کوئی گالی نکال دی ہو۔ اس نے ادویات واپس لینے سے صاف انکار کر دیا۔

میں حیران رہ گیا کہ جس بندے کے پاس صرف اس کی خوش اخلاقی کی وجہ سے بار بار میں جا رہا تھا اب میرے ساتھ کس طرح کا حسن سلوک کر رہا ہے۔ خیر میں نے زیادہ اصرار کیا تو موصوف کہنے لگے کہ واپسی اس صورت میں ہوگی اگر آپ نقد رقم واپسی کی بجائے کوئی دوسری میڈیسن خریدیں۔ پھر مجبوراً مجھے متبادل کے طور پر دوسری ادویات خریدنی پڑی، لیکن واپسی پر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ہے تو وہ مسلمان اور باہر بورڈ میں نام میں بھی حاجی لکھا ہوا ہے۔ لیکن سلمان دیتے وقت اور لیتے وقت اس کے روپے میں فرق کیوں تھا؟ اس روپے کی وجہ سے میں نے آئندہ کبھی بھی اس سے کچھ نہ خریدنے کا تہیہ کر لیا۔ اس طرح کے واقعات ہو سکتا ہے آپ کے ساتھ بھی رونما ہوئے ہوں، لیکن اس واقعہ کے پیچھے ایک اہم کاروباری راز پوشیدہ ہے جس کو ہمارے بیشتر تاجر اور کاروباری حضرات جانتے ہی نہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو خرید و فروخت کے معاملہ کو ختم کرنے کو شریعت میں ”اقالہ“ کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ خریدار خریدی ہوئی چیز دوکان دار کو واپس کردے اور دوکاندار خریدار کی ادا کردہ رقم واپس کردے۔

آپ ﷺ کا قول ہے ”جس نے کسی خریدے ہوئے مسلمان کو (بلا بحث و مباحثہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے) واپس لے لیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ مٹا دیں گے۔“ مگر ہم لوگ مسلمان ہونے کے باوجود اس پر عمل نہیں کر پارہے، اور غیر مسلموں نے اس پر عمل کر کے اس اہم ”کاروباری راز“ کو پا لیا ہے۔ ایک اور واقعہ بیان کرتا ہوں جسے سن کر مجھے لگا جیسے میں کوئی خیر القرون کا قصہ سن رہا ہوں۔ پاکستان میں اکاؤنٹنگ اینڈ فنانس کے ایک صاحب ہیں اپنے ساتھ امریکہ میں پیش آیا واقعہ بتاتے ہیں کہ کپڑا خریدے دو ماہ ہو چکے تھے۔ بیگم نے کھول کر دیکھا تو اسے اپنے معیار کا نہ پایا۔ کہنے لگیں یہ واپس کر آئیں۔ میں نے کہا بھئی دو ماہ ہو چکے۔ اب واپس نہیں ہوگا۔ بیگم صاحبہ نے اپنی انٹیلی جنس رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے یقین سے کہا یہاں واپس ہو جانا ہے۔ میں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا اچھا چلو رسید دے دو، میں سوچتا ہوں۔

ابلیہ نے حیرت کا دوسرا جھٹکا دیتے ہوئے کہا رسید بھی گم ہوگئی، لیکن واپس ہو جائے گا۔ میرے لیے یہ بیگم کا نکتہء نظر قابل قبول نہیں تھا۔ میں نے تو پاکستان کی دکانوں پر لکھا دیکھا ہے، خریدی ہوئی چیز واپس یا تبدیل نہیں ہوگی۔ مجھے تو چند منٹ بعد واپس کرنے پر بھی کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں آ رہا تھا کہ دکان دار نے اسی خوش دلی سے چیز واپس لے لی ہو، جس خوش دلی کا مظاہرہ وہ بیچنے کے موقع پر کر رہا تھا۔ خیر! میں نے کہا کہ یہ کام تم ہی کر کے دکھاؤ۔ ہم دونوں وال مارٹ پہنچ گئے۔ کاؤنٹر پر موجود خاتون نے پہلے رسید مانگی۔ پھر مختلف زبانی معلومات کے ذریعے کمپیوٹر سے اس خرید و فروخت کا پتہ لگایا اور مسکراتے ہوئے کہا: ”جی ہاں! آپ نے فلاں تاریخ کو یہ کپڑا ہمارے اسٹور سے خریدا تھا۔ آپ تبدیل کروانا چاہیں گے یا کیش؟“ اکیش۔ میں نے جواب دیا۔ اس خاتون نے مسکراتے ہوئے پوری رقم واپس کردی اور کہا ”Nice Shopping“



آج کے زمانے میں خریدی ہوئی چیز واپس لے لینا واقعتاً بڑے دل گردے کا کام ہے۔ یہ رویہ یا تو وہ اختیار کرے گا جو یا تو اس عمل پر اخروی ثواب کی امید رکھتا ہو۔ دوسرا وہ جو اس روپے کے در پردہ مالی فائدہ کو سمجھ سکے۔ وال مارٹ والے ظاہر ہے گاہک سے چیز ثواب کی نیت سے واپس نہیں لیتے۔ یہ سب کچھ وہ دنیا کے مفادات کی خاطر انتہائی گہری تحقیق

کے بعد کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اتنی فراخ دلی جب دکھائی جائے گی تو کچھ لوگ اسے غلط ضرور استعمال کریں گے۔ انہوں نے اس بات پر بھی غور کر رکھا ہے۔ چنانچہ کرسمس کے بعد وال مارٹ کے باہر ایک طویل قطار مسلمان واپس کرنے والوں کی لگتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کرسمس کے لیے جوتے، کپڑے اور ٹائی وغیرہ لے جاتے ہیں اور چند دن استعمال کر کے اس پیکش کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے واپس کر دیتے ہیں۔ لیکن وال مارٹ میں اسے بھی واپس لے لیا جاتا ہے۔ کیوں؟ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے انداز سے کے مطابق اس قسم کے لوگ معاشرے میں 3 یا 4 فیصد سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اب اگر ان سے پوچھ گچھ کریں گے تو ہمارے 96 فیصد گاہک متاثر ہوں گے۔

لہذا ہم یہ دھوکا کھانے کے لیے تیار ہیں۔ دیکھیے! ہم جس چیز کو مشکل سمجھ رہے ہیں، وہ مغرب میں ”کاروباری راز“ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ پاکستان کے بازاروں میں ایسا کیوں نہیں؟ غالباً اس کی وجہ دینی معلومات کی کمی یا دنیاوی فائدہ کے لیے سنجیدہ ریسرچ سے گریز ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ ہمارے ہاں بدعنوانی زیادہ ہونے کی وجہ سے وال مارٹ کی طرح آفر نہیں دی جاسکتی لیکن ضروری تحفظات کے ساتھ اس پر عمل تو ہو سکتا ہے۔ اگر ہم اس ”کاروباری راز“ پر سنت نبوی ﷺ سمجھ کر ہی عمل کرنا شروع کر دیں تو یقیناً ثواب کے ساتھ ساتھ کاروبار کو بھی بڑی تیزی سے بڑھایا جاسکتا ہے۔ اس بارے میں سوچیے گا ضرور!

در ڈے

مصنف: سفیان خان

لو!۔ تب سب سے چھوٹے کی آواز آئی، بھائی میں آپ سے جیت گیا۔ میں نے ماما کو سب سے پہلے "وش" کیا۔ تم تو اپنے نمبر بڑھاتے رہتے ہو اور پھر دونوں میں تھوڑی دیر نکلا۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا تو میں نے پوچھا آج ایسا کون سا خاص دن ہے؟ پایا! آج در ڈے ہے، چھوٹے نے آواز لگائی۔ تب مجھے معلوم ہوا۔ پھر اس پر بحث ہونے لگی کہ کون سا بچہ اچھا ہے۔ کیا نتیجہ نکالیں؟ نہیں معلوم۔

میں کچھ دیر تک تو سوچتا رہا اور پھر خود بخود میرے پاؤں ان کے گھر کی سمت چل پڑے۔ وہ مجھے باہر ہی مل گئیں۔ کیسی ہیں آپ ماں جی..... بہت شرمیلی ہیں وہ، مسکرائیں اور کہنے لگیں تم کیسے ہو؟ آج صبح سویرے ہی..... جی ماں جی آپ کو سلام کرنے آگیا۔

اور ہاں ایک اور بات..... میں آپ کو "وش" کرنے آیا ہوں۔ کس بات کی "وش"؟ انہوں نے پوچھا۔ ماں جی! آج در ڈے ہے ناں۔ جیتے رہو میرے بچے، سدا خوش رہو، خوشیاں دیکھو۔ ان کی آواز کا زبردہم میں کیسے تحریر کروں اور ان کے آنسو کیسے صفحہ پر بکھیروں۔ تھوڑی دیر آسمان کی طرف نکلی باندھ کر دیکھتی رہیں، بالکل گم سم۔ آپ ٹھیک تو ہیں ماں جی! میری آواز سن کر چونک سی گئیں اور واپس اسی دنیا میں لوٹ آئیں۔ اب تو تمہارے سر کے بالوں اور داڑھی میں کافی پیدہ آگئی ہے، کیا تمہارے پوتے پوتیاں تم سے کہانی سننے کی فرمائش کرتے ہیں؟ جی ہاں، کبھی کبھار، وگرنہ آج کل تو اسکول کا ہوم ورک اور بعد میں کمپیوٹر پر بچوں کی مصروفیت کے بعد دوستوں سے موبائل فون کی گپ شپ اور ٹیکسٹ پیغامات نے لٹکھ میں عجیب اجنبیت پیدا کر رکھی ہے، بچوں کے پاس اب بڑوں کے پاس بیٹھنے کی فرصت کہاں؟

تم نے مجھے "در ڈے" پر "وش" کر کے ماں جی تومان لیا اور اس میں کوئی ٹک بھی نہیں کہ میں تم سے عمر میں کافی بڑی ہوں۔ چلو آج ہم دونوں ایک بھولی بری روایت کو قائم کرتے ہیں۔ کہانی سنو گے؟ انہوں نے اچانک مجھ سے یہ فرمائش کر دی۔ "ضرور، کیوں نہیں، مدت ہوئی مجھے کوئی کہانی سننے ہوئے"۔ انہوں نے ایک کہانی سنائی۔ آپ بھی سنیں:

ایک شخص اپنی ماں کو پھول بھجوانے کا آرڈر دینے کے لیے ایک گل فروش کے پاس پہنچا۔ اس کی ماں دو سو میل کے فاصلے پر رہتی تھی۔ وہ شخص پلٹ کر گل فروش کے پاس پہنچا اس نے اپنا آرڈر منسوخ کر دیا اور ایک گل دستہ لے کر فوری اپنی ماں سے ملنے کے لیے روانہ ہو گیا۔

آخری فقرہ کہتے ہوئے ان کی آواز پکپکانے لگی تو میں نے اپنی جھکی گردن اٹھا کر ان کے چہرے پر نظر ڈالی تو انہوں نے منہ پھیر لیا کہ میں ان کی آنکھوں کی چغلی نہ پکڑ لوں۔ کتنا مشکل ہے اس طرح جینا.....! "اس سوال کا ہے کوئی جواب آپ کے پاس؟

اگر نہیں تو پھر جلدی کیجئے کہ ہمارے لئے تو ہر دن "در ڈے" ہے۔

خبر کھیت میں جیون کی اک دکھاری بوڑھی ماں

بویا نہیں، جو کاٹ رہی ہے

§§§

کہیں سے بھی ٹھکی ہوئی نظر نہیں آتیں وہ۔ ہر دم ہر کام کے لیے کمر بستہ، ہر لمحہ مسکراتی ہوئی، اکثر دکان پر نظر آتی ہیں۔ ایک کاپی ان کے ساتھ سفر میں رہتی ہے جس پر دکاندار سودا سلف دے کر لکھ دیتا ہے اور پھر ہر ماہ پیسے وصول کر لیتا ہے۔ کپڑے مناسب ہی ہوتے ہیں۔ کبھی دی لینے جارہی ہیں، صبح سویرے چھوٹے بچوں کو اسکول چھوڑنے جارہی ہیں، دوپہر میں ان کا بستہ اٹھائے آ رہی ہیں۔ شام کو بچے جب گلی میں کھیلے ہیں تو وہ ان کی نگرانی کرتی ہیں۔ لڑائی ہو جائے تو بچوں میں صلح کراتی ہیں اور نجانے کیا کیا۔ کبھی ایک بھو کے ساتھ جارہی ہیں کبھی دوسری کی دولارہی ہیں۔ ہر دم تازہ دم۔ میں انہیں اکثر ہی دیکھتا ہوں اور چھٹی والے دن تو خاص طور پر۔ اتوار کو صبح سویرے ہر طرف سناٹا ہوتا ہے بندہ نہ بندے کی ذات لیکن وہ اللہ کی بندی اس دن کیاریوں سے گھاس پھوس الگ کرتی ہیں، خشک پتے سیمٹی ہیں، پھر پائپ لگا کر چڑکاؤ کرتی ہیں۔

اس اتوار کو بھی یہی ہوا۔ میں چھت پر کھڑا نہیں دیکھ رہا تھا اور وہ اپنے کام میں منہمک تھیں۔ مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ کبھی آرام کرتی ہوں گی۔ کبھی کبھی وہ اکیلی بیٹھی آسمان کو دیکھتی ہیں۔ بس ایک دفعہ میں نے انہیں اپنی آنکھیں صاف کرتے دیکھا ہے اپنی سفید چادر سے۔ شوہر کا انتقال تو بہت پہلے ہو گیا تھا، پانچ بیٹوں کی ماں ہیں وہ، اور وہ سب کے سب باہر مقیم ہیں۔ شاید وہ بچیاں ان کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان کا کوئی بیٹا پاکستان آ رہا ہو تب ان کی خوشی دیدنی ہوتی ہے۔ پورے محلے کو بتاتی پھرتی ہیں: وہ کیڈا والا آ رہا ہے۔ اور پھر وہ دن بھی آ جاتا ہے جب ان کا تختہ جگر پہنچتا ہے کچھ دن تک رہتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتی ہیں۔

ہاں ایک دن اس شخص کو وہ تو آتے ہی اپنے بچوں کو گھمانے پھرانے لگتا ہے، میرا بچہ تو پھر بھی مجھے نہیں ملتا، پھر وہ واپس چلا جاتا ہے اور ماں کی اداسی اور بھی گہری ہو جاتی ہے۔ جن بیٹوں کے بیوی بچے باہر ہیں، وہ تو کئی کئی سال کے بعد آگے آتے ہیں تو ان کے پاس ایک چھوٹی سی ڈائری ضرور ہوتی ہے جس میں پہلے سے لکھا ہوتا ہے کہ پاکستان کے فلاں وقت اسے ہر حال میں اپنی بیوی بچوں کو فون ضرور کرنا ہے، بیوی بچوں کی فرمائشوں کی ایک لمبی فہرست الگ ہوتی ہے جن کی خریداری میں سارا دن بھٹکنے کے بعد جب واپس گھر لوٹتا ہے تو برسوں کی منتظر ماں کے سامنے اپنی تھکاوٹ کا اظہار کر کے بیٹنے کی کوئی جگہ ڈھونڈ کر بے خبر سو جاتا ہے اور ماں بار بار سوئے بیٹے کو دیکھ کر خوش ہوتی رہتی ہے..... یہ ہے ان کی زندگی۔

سانہے کہ وہ ایک کالج کی پرنسپل رہ چکی ہیں، ساری عمر درس و تدریس میں گزار دی۔ اب بھی کئی غریب بچیوں کی کفالت انتہائی پردہ داری اور خاموشی کے ساتھ سرانجام دیتی ہیں۔ مجھے اس بات کا کبھی پتہ نہ چلتا اگر بڑا ہوا کیا مجھے اس کی اطلاع نہ دیتا۔

ایک دفعہ میں ان کے گھر کے سامنے سے گزر رہا تھا تو مجھے روک کر میرے کل شام کے ٹی وی پروگرام پر تبصرہ فرمانے لگیں۔ مجھے جہاں ان کی علمی گفتگو نے حیران کر دیا وہاں ان کی لاجواب یادداشت نے میرے دل و دماغ کے کئی چراغ روشن کر دیئے۔ میں جتنی دیر پاکستان میں رہتا ہوں ان سے جی بھر کر باتیں کرتا ہوں، ان کی ڈھیر ساری باتیں سنتا ہوں جو وہ سارا سال میرے لئے جمع کر کے رکھی ہوتی ہیں۔ میں جب ٹیلیفون پر ان کو سلام کرتا ہوں تو ان کی خوش کلامی سے میرا دل مضطرب ہو کر رہ جاتا ہے لیکن مختصر سی بات کر کے یہ کہہ کر ختم کر دیتی ہیں کہ تمہیں خواہ مخواہ اس کا زیادہ بل آئے گا۔ آؤ گے تو خوب باتیں کریں گے۔

پانچ سال پہلے انہی دنوں میں پاکستان میں تھا۔ آہستہ آہستہ سورج چڑھنے لگا، بجلی نہیں تھی تو گرمی بڑھنے لگی اور پھر سارا محلہ وقت سے پہلے ہی جاگ اٹھا۔ منظر بیٹے نے اٹھتے ہی آواز لگائی: "مما آئی"

نئی زندگی

مصنف: سفیان خان

۲۰ جنوری کو گیارہ بجے کلاس سے فارغ ہو کر گھر میں بات چیت ہو رہی تھی کہ پیٹ درد بالکل ہو گئی، مقامی ڈاکٹر سے دوائی لی مگر آرام نہ آیا شام ۷ بجے اپنے فیملی ڈاکٹر کے پاس گیا تو انہوں نے میو ہسپتال بھیج دیا کہ مسئلہ سنگین ہے ساتھ اپنے لیٹر پیڈ پر ہسپتال کے ڈاکٹرز کو کچھ ٹیٹ کرنے کا بھی کہا۔

ٹیسٹ کئے تو جگر کا مسد سامنے آیا کچھ آرام آنے کے بعد ہسپتال والوں نے گھر بھیج دیا اگلے دن طبیعت مزید خراب ہو گئی شام فیملی ڈاکٹر کے پاس گیا تو انہوں نے پھر میو ہسپتال، میں اپنے میگزین کے ساتھی علی رضا کے ساتھ ہسپتال چلا گیا انہوں نے عارضی علاج کر کے آج پھر مجھے گھر بھیج دیا۔ اتوار کو طبیعت کچھ ٹھیک رہی پیر کو شام کو طبیعت سخت خراب ہو گئی فیملی ڈاکٹر کے پاس پہنچا تو انہوں نے سب مریضوں کو چھوڑ کر مجھے چیک کیا تو انہوں نے کہا کہ ہسپتال والے آپ کو داخل کیوں نہیں کرتے؟ آپ کی طبیعت سخت خراب ہے۔

آپ کو کوئی سنگین مسند درپیش ہے۔ آپ فوری ہسپتال جائیں پھر انہوں نے اپنے لیٹر پیڈ پر سرکاری مہر کے ساتھ ہسپتال کے ڈاکٹرز کو کچھ ہدایات یا آراء لکھ کر مجھے دیں۔ ہم ہسپتال پہنچ گئے ساتھ ہی ماموں ملک محمود الحسن، سرفراز حق نواز، ملک قدیر بھی ہسپتال آگئے۔ ہسپتال امیر جنسی میں میڈیکل اور سرجری شعبہ جات کے ڈاکٹرز اس بحث میں الجھ گئے کہ یہ ہمارا مریض نہیں ہے۔ مجھے ساتھی میڈیکل والوں کے پاس لے کر جاتے تو وہ کہتے کہ سرجری والوں کے پاس جاؤ سرجری والوں کے پاس جاتے تو وہ کہتے کہ میڈیکل والوں کے پاس جاؤ۔

صورت حال کو دیکھتے ہوئے ملک محمود الحسن ان لیگ لاہور کے جوائنٹ سیکرٹری نے بلال یاسین ایم این اے کو فون کیا کہ ہمارے مریض کو ایمر جنسی میں علاج کی سہولت میسر نہیں بلال یاسین نے ہسپتال فون کیا تو علاج شروع ہو گیا مجھے ۱۰۴ بخار تھا اپنی حالت سے بھی لاعلم تھا ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ زندگی کے آخری سانس چل رہے ہیں زبان پر کلمہ طیبہ جاری ہو گیا۔ یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اپنے خالق حقیقی کو کچھ دیر بعد ملے والا ہوں۔۔۔ رات کافی بیت چکی تھی وقت دیکھنا یا پوچھنا ممکن نہیں تھا کیونکہ اپنے آپ کا علم بھی نہ تھا اور یہ بھی علم نہ تھا کہ کہاں ہوں؟ ایک وقت ایسا آیا کہ حق نواز بھائی کو دیکھا جو پاس کھڑا انتہائی پریشان تھا مگر شدید بیماری کے باعث اس سے بھی بات نہیں کر سکتا تھا۔

علاج کرتے کرتے دن کی روشنی نمودار ہو گئی مگر مجھے

اس کا علم نہ ہو سکا۔ مجھے بیڈ سے اٹھا کر کہیں لیجانے کیلئے سڑک پر ڈالا گیا لفٹ کے ذریعے بالائی منزل سے نیچے لایا گیا جب ایمر جنسی سے باہر لایا گیا توچرے پر بارش کے کچھ قطرات پڑے تو احساس ہوا کہ مجھے کہیں اور لیجایا جا رہا ہے ایسولینس میں رکھا گیا تو سمجھا شائد کسی اور ہسپتال میں شفٹ کیا جا رہا ہے میرا علاج کرنا میو ہسپتال والوں کے بس میں نہیں ہے۔ ایسولینس نے پانچ منٹ کے بعد کہیں اتارا وہاں سے مجھے کہیں میں منتقل کیا گیا۔ اس وقت تو علم نہ ہو سکا کہ میں کہاں آگیا ہوں البتہ چار پانچ گھنٹوں کے بعد جب کچھ حالت سنگینی تو پتہ چلا کہ میو ہسپتال کی گوجرانوالہ وارڈ (ایسٹ سرجیکل وارڈ) میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔

یہ ۲۳ جنوری ۲۰۱۷ء منگل کا دن تھا۔ ہر روز ڈاکٹر صبح کو راونڈ کرتے چیک کر کے چلے جاتے، ٹیٹوں کو روزانہ کی بنیاد پر یہ کیا جانے لگا ایک دن دراڑ کے ہیڈ ڈاکٹر امیر افضل راونڈ کرتے ہوئے میرے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ اس حالت میں بغیر تشخیص کے جو بھی آپ کا علاج کرے گا وہ خود بھی پریشان ہوگا اور تمہیں بھی پریشان کرے گا۔

میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ تفصیل کیلئے بتائیں کہ ہم کیا کریں انہوں نے کہا کہ آپ M.R.C.P اور P.R.C.E. کروائیں پھر ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکیں گے، میں نے استفسار کیا کہ میو ہسپتال سے یہ ٹیسٹ ہو جائیں گے تو ڈاکٹر امیر افضل نے بتایا کہ میو ہسپتال سے یہ ٹیسٹ نہیں ہو سکتے کیونکہ یہاں پر ان کی سہولت میسر نہیں ہے یہ سن کر میں حیران رہ گیا کہ اشیاء کے سب سے بڑے ہسپتال میں ان ٹیسٹوں کی سہولت موجود نہیں یہ ٹیسٹ تو انتہائی اہم ہیں ان کی سہولت تو ہر سرکاری ہسپتال میں ہونی چاہیے یہ سہولت نہ ہونے کے باعث مریض تو بہت ذلیل و سورا ہوتے ہوں گے حکومت کو چاہیے کہ ان ٹیسٹوں کی سہولتوں ملک بھر کے تمام سرکاری ہسپتالوں میں فراہم کرے۔

M.R.C.P تو گنگا رام ہسپتال سے جلد ہی ہو گئی مگر E.R.C.P کروانا ہمارے لئے مشکل ترین کام ہو گیا کیونکہ اس ٹیسٹ کیلئے جس سرکاری ہسپتال سے رابطہ کرتے تین ماہ، دو ماہ، پندرہ کا نام ملتا۔ اتنی دیر انتظار کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا کیونکہ ۱۰۳ بخار دن میں دو سے تین بار ضرور ہوتا تھا جس سے حالت انتہائی خراب حد تک پہنچ چکی تھی۔ حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے مخلص ساتھیوں ڈاکٹر نجم الدین اور بریگیڈیئر (ر) محمد حنیف صاحب نے سی ایم ایچ سے ای۔آر۔سی۔بی کروانے کا فیصلہ کر لیا دو دن میں ہی یہ ٹیسٹ اللہ کی توفیق اور مدد سے ہو گیا۔ سی ایم ایچ کے ڈاکٹر نے چھوٹی پتھریاں نکال دیں ایک بڑی پتھری رہ گئی جو آپریشن سے ہی نکل سکتی تھی۔

دونوں ٹیسٹوں سے جو تشخیص ہوئی وہ یہ تھی کہ جگر کے باہر ایک تھیلی بن گئی ہے اور سی۔بی۔ڈی میں پتھری

ہے اور آنتوں میں ہوا بھری ہوئی ہے۔ ۱۶۔ جنوری کو آپریشن کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا حسب معمول اسی دن آپریشن ہو گیا یہ آپریشن ڈاکٹر امیر افضل صاحب نے پوری محنت توجہ اور پیشہ وارانہ تجربے سے کیا۔ حالت نازک ہونے کے باعث آئی سی یو میں شفٹ کیا گیا جہاں چھ دن تک زیر علاج رہا۔ پھر باہر شفٹ کر دیا گیا آپریشن کے بعد ڈاکٹر وزیر حسن جیسا نرم دل، محنتی معالج ملا جنھوں نے شب و روز ایک کردیئے بھر پور توجہ دی ڈاکٹر ذیشان سرور، ڈاکٹر کاشف، ڈاکٹر حنیف کے اخلاق سے بے حد متاثر ہوا اور سگ سٹاف میں سے کھلی بھائی اور دیگر نرسز کی شانہ روز محنت نے علاج میں اہم کردار ادا کیا۔ چار دن وارڈ میں رہنے کے بعد ۲۵ جنوری کو ڈسچارج کر دیا گیا مگر ڈرین اور ٹی ٹیوب نہیں نکالی کیوں کہ ڈاکٹر امیر افضل نے ڈاکٹرز کو کہا تھا کہ اس مریض کی یہ دو دنوں نالیاں لگی رہنے دیں جب تک ریڈیالوجی کی رپورٹ نہیں آجائی۔

ریڈیالوجی کی رپورٹ کے بعد آپریشن تھیسز میں بلوایا گیا جہاں ڈاکٹرز نے رپورٹ کا مطالعہ کیا تو انھوں نے کہا کہ ابھی دو پتھریاں مزید ہیں صبح وارڈ میں آئیں اگلے دن وارڈ میں گئے تو ڈاکٹر امیر افضل نے رپورٹ دیکھی تو کہا کہ یہ رپورٹ بتا رہی ہے کہ پتھریاں نہیں ہیں جن کو پتھریاں کہا جا رہا ہے وہ درحقیقت پتھریاں نہیں ہیں۔ باقی نالیاب بھی نکال دی گئیں چوبیس گھنٹے وارڈ میں ٹھہرنے کا کہا اگلی صبح راولڈ کے دوران مختصر ملاقات کے بعد گھر بھیج دیا گیا۔ چند دن کے بعد فیملی ڈاکٹر، ڈاکٹر عدنان سرور سے ملاقات کی تو انھوں نے ایک تجربہ کار ڈاکٹر کے پاس الٹراساؤنڈ کیلئے ریفر کیا۔

الہ اسائنڈ کیا گیا تو رپورٹ وہی تھی جو ڈاکٹر امیر افضل نے کہا تھی۔ علاج کے دوران یہ بات خاص طور پر نوٹ کی گئی کہ چھوٹے درجے کے عملے کی تربیت کا شدید فقدان ہے۔ وارڈز میں لواحقین کے بیٹھنے کیلئے ڈیک، پرانے خستہ حال بیڈز اور گدے عوامی خدمت کی دعوے دار حکومت کو منہ چڑھا رہے تھے۔ علاج کے دوران اسلامی اخوت و مواخات کا عظیم مظہر دیکھنے کو ملا اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کی حفاظت فرمائے جنہوں نے بیماری کے دوران راقم کے ساتھ کسی قسم کا بھی تعاون کیا۔



